ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - May 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 05 ...... مئی2015..... قیمت 5روپے

میرے جیسے لاکھوں اور حق کی بات کرتے ہیں

مجھ کو مارنے والے اب بھی مجھ سے ڈرتے ہیں

17 تا 19 اپریل 2015، لاہور:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے ایچ آر سی پی کے فعال کارکنوں کے لیے سالانہ کنونشن/ورکشاپ کا اہتمام کیا

لاہور:18اپریل2015:
'ایوان جمہور' میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے
سالانہ عمومی اجلاس کے موقع پر کمیشن کی منتخب کونسل کا اجلاس

لاہور: ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ ''انسانی حقوق کی صورت حال:2014ء'' کا اجراء 17اپریل2015 کو لاہور میں کیا گیا

سالانہ رپورٹ انگریزی/اردو میں دستیاب ہے

رپورٹ HRCP کی ویب سائٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے

www.hrcp-web.org

قیمت علاوہ ڈاک خرچ -/400 روپے (اندرون ملک)
(اردو)
10 ڈالرز۔ **5** پاؤنڈ (بیرون ملک)

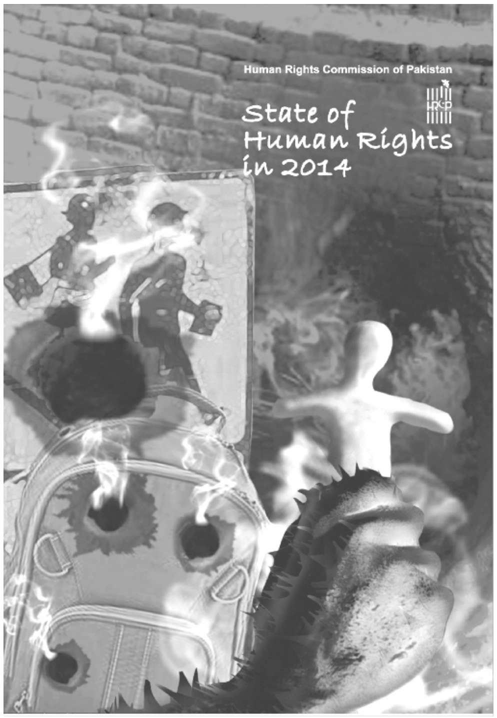

قیمت علاوہ ڈاک خرچ -/500 روپے (اندرون ملک)
(English Edition)
9 ڈالرز۔ **6** پاؤنڈ (بیرون ملک)

انگریزی/اردو میں رپورٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آرڈر بک کروایئے

Human Rights Commission of Pakistan
Aiwan-i-Jamhoor, 107-Tipu Block, New Garden Town, Lahore-54600
Tel: (042) 35864994, 35838341, 35865969 Fax: (042) 35883582
Complaint cell: (042) 35845969 (0333) 2006800
E-mail: hrcp@hrcp-web.org

فہرست

گلگت بلتستان میں اجتماع اور اظہار کی آزادی کی نفی 8

کیا بلوچوں کے لیے کوئی جگہ ہے؟ 9

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا اجلاس عام۔2015ء 11

حسابات کا گوشوارہ 13

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2014ء۔رپورٹ کے اہم نکات 15

زباں بندی کے قانون کو وسیع کرنے کے اقدامات 20

حکومت انسانی حقوق کے تحفظ میں ناکام ہوتو دوسرے ادارے یہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں 21

دہشت گردی اور تشدد کے باعث ذہنی صحت کے مسائل میں اضافہ ہورہا ہے 26

عورتیں 28

کاری، کارو کہا اور زندہ رہنے کا حق چھین لیا 29

جنسی تشدد کے واقعات 29

قانون نافذ کرنے والے ادارے 35

صحت 36

تعلیم 37

بچے 38

انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں کی سالانہ ورکشاپ 39

خودکشی کے واقعات 49

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط 52

LUMS میں مذاکرے کی تنسیخ کے احکامات قابل مذمت ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں بلوچستان کے مسئلے پر بحث ومباحثے کے اہتمام کو منسوخ کرنے کے سرکاری احکامات پر نہایت تشویش اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ایچ آر سی پی کے خیال میں جمہوری نظم ونسق میں اس قسم کا اقدام زیادہ افسوسناک امر ہے۔ جمعہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا:

’’9اپریل کو LUMS میں’’نظام انصاف کی تشکیل نو‘‘ کے عنوان پر بلوچستان کے مسئلے پر ہونے والے مشاورتی سلسلے کی سرکاری آرڈر کے ذریعے منسوخی نہایت افسوسناک اور انتہائی قابل مذمت ہے۔

’’ایسے احکامات فوجی ادوار میں تو غیر متوقع نہیں ہوتے جن سے پاکستان کئی بار دوچار ہوا ہے مگر جمہوری نظم ونسق میں ایک نجی تعلیمی ادارے کو اس انداز سے خاموش کرادیا جانا لمحہ فکریہ ہے‘‘۔

’’مذاکرے کی تنسیخ کے حکم نامے نے نئے سوالات کو جنم دیا ہے: کیا ہمارے طالبعلموں کو بلوچستان کی صورتحال پر بحث ومباحثہ کرنے اور مختلف آراء سننے کا موقع کیوں نہیں ملنا چاہئے؟ اگر تقریب کا انعقاد ملک کے کسی اور علاقے میں کیا جاتا تو کیا اس کی اجازت دے دی جاتی؟ اگر بلوچستان سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے کارکن ماما قدیر مقررین میں شامل نہ ہوتے تو حکام کو کوئی اعتراض نہ ہوتا؟

فیصلہ سازی کے اس غیر منصفانہ عمل سے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ فیصلہ سازوں کو دی جانے والی ہدایات کا معیار کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر طالب علموں کو بلوچستان کے مسئلے کی پیچیدگیوں اور وہاں انصاف کے لیے جاری جدوجہد کو سمجھنے کا موقع ملے تو تمام حلقے اس کا خیر مقدم کریں گے۔تاہم ایسا نہ ہوسکا۔یقیناً بلوچستان کے علاقوں پر تشدد کو ایک حکمت عملی کے طور پر استعمال کرنے کی نسبت تعلیمی اداروں میں ایسے مباحث کا اہتمام کرنا زیادہ مناسب عمل ہے۔

’’ایچ آر سی پی کا یہ واضح موقف ہے کہ تعلیمی ماحول میں ایسے مباحث کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے جن کی مدد سے نوجوانوں کو فکر واظہار رائے اور تنقیدی سوچ کی آزادی جیسے تصورات سے روشناس کرایا جاسکے۔اس اقدام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں نے اس تقریب کو جاری نہیں رہنے دیا وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نوجوان ان خوبیوں سے روشناس ہوں۔

’’ایچ آر سی پی LUMS کے اساتذہ اور طلباء میں پائے جانے والے غصے کو سمجھتا ہے اور اس پر شدید احتجاج کرتا ہے۔ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس تقریب کو منسوخ کرنے کی وجوہات فوری طور پر منظر عام پر لائی جائیں۔اس بات کی وضاحت کی جائے کہ پاکستان میں اس کا فیصلہ کون کرتا ہے کہ لوگوں کو کس کا نقطہ نظر سننا چاہئے اور کس کا نہیں؟ ان حالات میں حکام کے لیے سب سے بہتر عمل اس غیر ضروری فیصلے کے لیے معذرت کرنا اور LUMS کو یہ یقین دہانی کرانا ہے کہ حکومت نہ صرف ایسی تقریب کے انعقاد کا خیر مقدم کرے گی بلکہ اس کے لیے آسانیاں بھی پیدا کرے گی۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔10اپریل2015]

حکومت معاشی بحران اور حقوق کی پامالیوں کا نوٹس لے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے مطالبہ کیا ہے کہ منتخب حکومت اور پارلیمنٹ فوج کے لیے میدان کھلا چھوڑنے کی بجائے ملک کو درپیش متعدد چیلنجوں پر قابو پائے۔سیاسی قیادت کو اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ کوئی بھی فوجی آپریشن اس وقت تک موثر یا مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک اس کی انجام دہی سول حکومت کی زیر نگرانی نہیں کی جاتی۔فیصلہ سازی اور پالیسی کی تشکیل میں فوجی قیادت کے بڑھتے ہوئے کردار کے باعث انسانی حقوق اور جمہوری اصولوں کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ایچ آر سی پی کو موصول ہونے والی رپورٹس ظاہر کرتی ہیں کہ خوف نے ملک کے بڑے حصے کو اپنے حصار میں رکھا۔

ایچ آر سی پی کونسل کے اجلاس اور سالانہ اجلاس عام کے اختتام پر جاری ہونے والے ایک بیان میں کہا گیا:’’ملک کو درپیش متعدد چیلنجوں پر ایچ آر سی پی کو سخت تشویش ہے۔ان میں سے چند گزشتہ کچھ ماہ کے دوران سامنے آئے لیکن دیگر چیلنج کونسل کے گزشتہ سال اکتوبر میں منعقد ہونے والے اجلاس کے بعد سے ہی سنگین شکل اختیار کرگئے تھے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل مسائل پر بلا تاخیر توجہ دینا ضروری ہے:

☆ منتخب حکومت اور پارلیمنٹ نے فوج کے لیے میدان کھلا چھوڑ کر نہ صرف جمہوری نظام پر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے بلکہ اس کے باعث انسانی حقوق سے متعلق سنگین چیلنجوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ فوجی عدالتوں سے متعلق آئینی ترمیم اور تحفظ پاکستان ایکٹ (پی پی اے) دو پریشان کن مثالیں ہیں۔ نظام انصاف میں پائی جانے والی خامیوں کی وجہ سے جلد بازی میں قائم کی جانے والی فوجی عدالتوں کو جائز قرار دیا گیا تاہم ابھی تک نظام انصاف میں اصلاح کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔

☆ سائبر کرائم سے متعلق بل کی شقیں یقیناً اظہار رائے کی آزادی پر حملہ ہیں۔ اس مسودہ قانون کے مبالغہ آمیز بیانات اور عمومی زبان کے باعث اس بل کے غلط استعمال کا امکان ہے۔ اس سے معاشرے کی متشدد قوتوں کو ایذا رسانی کے ارتکاب کا موقع ملے گا۔

☆ انسانی حقوق کے محافظین اور صحافیوں کو دھمکانے کا سلسلہ جاری ہے اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جانب سے سول سوسائٹی کی تنظیموں کے دفاتر کے دوروں کے باعث ایک خوف کی فضاء قائم رہی ہے۔ سیکیورٹی ایجنسیوں کی جانب سے عام شہریوں کے خلاف ذلت آمیز اور غیر مہذب برتاؤ کی اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں۔

☆ ایچ آر سی پی کو لمز یونیورسٹی میں بلوچستان سے متعلق ایک مذاکرے کی تنسیخ اور اس کے خلاف ہونے والے مظاہروں کے بعد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر تیمور رحمان کے خلاف میڈیا کی جانب سے چلائی جانے والی مہم پر بھی سخت تشویش ہے۔ ایک مخصوص ٹی وی چینل کی قیادت میں چلائی جانے والی یہ مہم نفرت انگیز بیان کے مترادف ہے۔ اس کا فوری نوٹس لیا جائے کیونکہ اس کے باعث ڈاکٹر رحمان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہے۔

☆ قومی ایکشن پلان (نیپ) کے تحت سیکیورٹی ایجنسیوں کے دہشت گردی کے خلاف آپریشنوں میں غیر جانبداری کا فقدان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اختلاف رائے رکھنے والوں کے خلاف کارروائی پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے جبکہ کالعدم تنظیموں کے لیے گنجائش پیدا کی جا رہی ہے۔

☆ فاٹا میں جاری فوجی آپریشنوں میں شفافیت کا فقدان ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جاں بحق ہونے والے عام شہریوں کا ریکارڈ رکھا جائے، معصوم شہریوں کی ہلاکتوں کے خطرے کو کم کرنے کے لیے طریقہ کار متعارف کرائے جائیں، اور متاثرہ خاندانوں کو معاوضہ ادا کیا جائے۔

☆ فاٹا کے علاقوں خیبر ایجنسی اور شمالی وزیرستان کے علاقوں سے بے دخل ہونے والے افراد کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پاکستانی آبادی ان مصائب سے پہلی دفعہ دوچار نہیں ہوئی تھی مگر ماضی کی نقل مکانیوں سے پیدا ہونے والے بحرانوں سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا گیا۔ ایچ آر سی پی کو آئی ڈی پیز کی عزت نفس مجروح ہونے کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ فوج نے جنگجوؤں سے علاقہ خالی کرالیا ہے مگر علاقے کا کنٹرول غیر تربیت یافتہ مقامی کمیونٹیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ تباہ شدہ انفراسٹرکچر کی تعمیر نو کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ یہ بات نہ صرف آئی ڈی پیز کے لیے تباہ کن ہے بلکہ مستقبل میں امن کے قیام کی راہ میں بھی رکاوٹ ہے۔

☆ بلوچستان میں دہشت گردوں کے حملے میں 20 مزدوروں کی ہلاکت انتہائی قابل مذمت ہے۔ معصوم اور پسماندہ مزدوروں کو مارنا انتہائی افسوسناک ہے۔ اس قتل عام میں ملوث افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جانا چاہئے۔

☆ سیکیورٹی فورسز نے طاقت کا بے جا استعمال کرتے ہوئے درجنوں لوگوں کو قتل کر دیا جنہیں گرفتار کر کے عدالتوں میں پیش کیا جانا چاہئے تھا اور یہ تشویشناک امر ہے۔ بلوچستان میں فوجی کارروائی کا از سر نو جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ آرمی چیف اور وزیر داخلہ کے حالیہ بیانات صوبے کی بلوچ آبادی کے ساتھ مصالحت کے لیے نیک شگون نہیں ہیں۔

☆ یہ انتہائی افسوسناک عمل ہے کہ پشاور سکول کے سانحے کو بنیاد بنا کر سزائے موت پر عائد پابندی ہٹا دی گئی اور پھانسیاں دینا شروع کر دی گئیں۔ اگرچہ شروع شروع میں یہ کہا گیا تھا کہ پھانسیوں کا اطلاق صرف دہشت گردی کے جرائم میں ملوث افراد پر ہوگا تاہم بعد ازاں ان کا اطلاق سزائے موت کے دیگر مجرموں پر بھی کر دیا گیا تھا اور پہلے والے فیصلے میں تبدیلیوں کی کوئی معقول وجہ بھی نہ بتائی گئی۔ گزشتہ برس دسمبر میں پھانسیاں شروع ہونے کے وقت سے لے کر اب تک 72 افراد کو تختہ دار پر لٹکایا جا چکا ہے۔ ان میں سے متعدد مجرم دہشت گردی کے جرائم میں ملوث نہیں تھے۔

☆ ماورائے عدالت ہلاکتوں میں بالخصوص سندھ اور بلوچستان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کراچی میں امن و امان کی صورتحال کسی حد تک بہتر ہوئی ہے مگر رینجرز وہاں جس طرح سے کام کرتی ہے اس میں شفافیت نہیں ہے۔ ایسے اعداد و شمار نہیں ہیں جن سے معلوم ہو کہ رینجرز اہلکاروں نے کتنے لوگوں کو کتنے عرصے تک حراست میں رکھا۔ ان میں سے کئی افراد کو رہا کیا گیا لیکن ان کی گرفتاری یا رہائی کی وجوہات نہیں بتائی گئیں۔

☆ ملک بھر میں مذہبی اقلیتوں اور فرقوں، بالخصوص ان کی عبادت گاہوں پر حملوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ شکارپور میں ایک امام بارگاہ، پنجاب میں گرجا گھروں اور سندھ کے کئی علاقوں میں مندروں کو نشانہ بنایا گیا۔ حکومت نے مذہبی اقلیتوں پر ان حملوں کی بنیادی وجوہات جاننے کی بجائے صرف علامات پر توجہ مرکوز رکھی۔

☆ گزشتہ چند ماہ کے دوران بچوں کو ان گنت ظالمانہ اور جنسی حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم ایسے واقعات کو غیر مربوط انفرادی واقعات سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ بچوں کے خلاف تشدد عام رہا اور اس کے خلاف ٹھوس اقدامات نہ

اٹھانے کی وجہ سے اس رجحان کو مزید تقویت ملی۔

☆ عوام کے معاشی حقوق اور ملک کو درپیش معاشی بحران پر توجہ نہیں دی جا رہی جس کے نتیجے میں بیروزگاری اور غربت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بڑی پریشان کن بات ہے کہ بجلی، صاف پانی اور گیس کی بڑھتی ہوئی کمی پر قابو پانے کے لیے کوئی منصوبہ بندی ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ تعلیم کا بجٹ بہت کم مختص کیا گیا تھا جس کے باعث آئین کی دفعہ 25 (الف) کے تحت یونیورسل تعلیم کی فراہمی کا ہدف پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ صحت کے کم بجٹ کی وجہ سے ملک بھر میں کمسن بچے اموات کا شکار ہو رہے ہیں۔ پولیو کے واقعات غیر معمولی حد تک بڑھ رہے ہیں۔ پولیو ویکسینیٹرز اور ان کے محافظین کے قتل نے پاکستانی بچوں کے صحت مند مستقبل کو یقینی بنانے کا کام مزید مشکل ہو گیا ہے۔ وفاقی وصوبائی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ ان معاملات سے پہلو تہی کرنے کی بجائے ان پر توجہ دیں کیونکہ یہ پاکستان کے عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

☆ جمہوریت اسی وقت مستحکم ہوگی جب اختیارات کو نچلی سطح پر منتقل کیا جائے گا۔ مقامی اداروں کے انتخابات کا انعقاد اور انہیں اختیارات کی فراہمی انتہائی ضروری ہے۔ ایچ آر سی پی یہ بھی امید کرتا ہے کہ ایک نئے این ایف سی ایوارڈ کو جلد از جلد حتمی شکل دی جائے گی اور مشترکہ مفادات کونسل کے کام کو بہتر بنایا جائے گا۔ اٹھارہویں ترمیم کو منسوخ کرنے کی تمام واضح یا خفیہ کوششوں کا سدباب کیا جانا چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 19 اپریل 2015]

ایچ آر سی پی کو سبین محمود کے قتل کا شدید دکھ ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے معروف سماجی کارکن اور انسانی حقوق کی نڈر محافظ سبین محمود کے قتل کی شدید مذمت کی ہے۔ کمیشن نے مطالبہ کیا ہے کہ سبین کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے اور پاکستان بھر میں انسانی حقوق کے محافظین کو لاحق خطرات اور تشدد کے خاتمے کے لیے فوری اقدامات کئے جائیں۔

ہفتہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ کراچی میں 14 اپریل کو ٹی 2 ایف کی ڈائریکٹر سبین محمود کا قتل قابل مذمت ہے۔ ان کی والدہ حملے میں زخمی ہوگئی تھیں۔ وہ ''بلوچستان پر خاموشی توڑیے'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی مشاورت کے اختتام کے بعد اپنے گھر جا رہی تھیں۔ اطلاعات کے مطابق اُنہیں مشاورت کے انعقاد سے منع کیا گیا تھا۔

سبین نے کئی برسوں کی محنت کے بعد اپنے ٹی 2 ایف کیفے کو ایک ایسے مقام میں تبدیل کر دیا تھا جہاں سیاست سے لے کر ثقافت کے موضوعات پر کھلے مباحثے اور تبادلہ خیال ہوتا تھا۔

یہ امر ایچ آر سی پی کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ انسانی حقوق اور رواداری کے دفاع میں اٹھنے والی آوازوں کو ملک بھر میں تشدد کے ذریعے بند کیا جا رہا ہے۔ کراچی میں دو سال قبل غرباء کے ملکیتی حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والی اورنگی پائلٹ کی سربراہ پروین رحمان کو مار دیا گیا جبکہ ایک برس قبل ملتان میں توہین مذہب کے ملزم کے مقدمے کا دفاع کرنے والے ایچ آر سی پی کے کوآرڈی نیٹر راشد رحمان کو گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا۔

ہم سبین کے اہل خانہ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں اور ان بے شمار لوگوں کے ساتھ بھی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں جنہیں سبین خان کو جاننے اور ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایچ آر سی پی اپنے دیرینہ مطالبے کا اعادہ کرتا ہے کہ سبین محمود سمیت انسانی حقوق کے تمام کارکنوں کے قتل کے واقعات کی فوری، مکمل اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔

حکام کو انسانی حقوق کے محافظین کو درپیش خطرات کا احساس ہونا چاہئے اور ان کے تحفظ اور مجرموں کی سرکوبی کے لیے موثر اقدامات کرنے چاہئیں جو پاکستان کی بہادر بیٹیوں اور بیٹوں کو باقاعدہ منصوبے کے تحت ہمیشہ کے لیے خاموش کر رہے ہیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 25 اپریل 2015]

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

☜ ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے

☜ سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

گلگت بلتستان میں اجتماع اور اظہار کی آزادی کی نفی

تقریباً سات دہائیوں کے دوران عوام کی طرف سے تسلسل کے ساتھ بلند کی جانے والی آواز کے باوجود پاکستان کے شمالی حصہ میں گلگت بلتستان کے علاقے کو وہ حیثیت مکمل طور پر نہیں مل سکی جو وفاق کی دوسری اکائیوں کو حاصل ہے۔ 2009ء میں آزاد اور خودمختار حیثیت کے حوالے سے جو قانون گلگت بلتستان ایمپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء منظور کیا گیا تھا، اس کا مقصد لوگوں کو یہ احساس دلانا تھا کہ گلگت بلتستان کو خودمختار حیثیت دے دی گئی ہے لیکن یہ قانون لوگوں کی توقعات پر پورا نہ اتر سکا۔ لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ گلگت بلتستان کو جموں وکشمیر کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور چونکہ جموں وکشمیر متنازعہ علاقہ ہے اس لیے اس علاقے کو صوبے کا درجہ دینے سے انکار کیا جاتا ہے۔

گلگت بلتستان میں اس صورتحال کے خلاف ہونے والے احتجاجوں اور عوامی مظاہروں خصوصاً سیاسی طور پر متحرک کارکنوں کو دبایا گیا ہے، اس کے حوالے سے میڈیا پر بہت سی خبریں سامنے آئی ہیں۔ خاص طور پر اجتماعات پر لگائی جانے والی پابندیوں کے حوالے سے حکام کے رویئے، تعزیراتی قوانین اور انسداد دہشت گردی قانون کے تحت مظاہرین کی نظربندیوں اور ان کے خلاف درج کئے جانے والے مقدمات سے متعلق خبریں میڈیا کے ذریعے ملک بھر کے عوام تک پہنچتی رہیں۔

سب سے زیادہ جس مقدمے نے شہرت حاصل کی وہ بابا جان اور گیارہ دوسرے ترقی پسند افراد کے خلاف درج ہونے والا مقدمہ تھا۔ ان کے خلاف گلگت بلتستان میں 2011ء کے دوران ہنزہ میں بلوہ کرنے کے الزام میں مقدمہ درج کیا گیا اور 2014ء میں انسداد دہشت گردی کی عدالت نے انہیں عمر قید کی سزا سنادی۔

ان پر مقدمہ اگست 2011ء میں ضلع ہنزہ نگر۔ میں ہونے والے احتجاجی مظاہرے پر درج کیا گیا تھا۔ اس احتجاج کے دوران مظاہرین نے متعدد سرکاری عمارتوں کو آگ لگادی تھی۔ اس احتجاج کا آغاز سڑک بند کرنے سے ہوا تھا۔ مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ عطاآباد میں ہونے والی تباہی کے متاثرین کو زرِتلافی ادا کیا جائے۔ جنوری 2011ء میں ایک بہت بڑے پہاڑی تودے کے گرنے سے موضع عطاآباد مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا اور اس میں 20 دیہاتی جاں بحق ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ تودے کے گرنے کے باعث دریائے ہنزہ کا بہاؤ رُک گیا تھا۔ پانی کی سطح میں شدید اضافے کے باعث چار دیہات ڈوب گئے جس سے ہزاروں افراد کو گھر بار چھوڑنے پڑے۔

اگست 2011ء کے احتجاج کے دوران بند کی جانے والی سڑک پر سے گلگت بلتستان کے وزیراعلیٰ کے قافلے کو گزرنا تھا۔ جب پولیس نے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوشش کی تو پولیس اور مظاہرین میں تصادم ہوگیا جس پر پولیس نے ہجوم پر فائرنگ کردی۔ نتیجے میں احتجاج میں شریک دو افراد جاں بحق ہوگئے جبکہ پولیس کارندوں سمیت متعدد افراد زخمی ہوئے۔

گلگت بلتستان سمیت ملک بھر میں بابا جان اور ان کے گیارہ ساتھیوں کو ملنے والی سزا کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ اور اس بات پر زور دیا گیا کہ اگست 2011ء کو تشدد کا جو واقعہ ہوا اس سے سزا پانے والے افراد کا کوئی تعلق نہیں تھا اس کے علاوہ واقعہ کی مطابقت میں سزا کی مدت سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان افراد کو ریاست کی سفاک نمود خواہی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس انتہائی تکلیف دہ واقعہ کے علاوہ بھی پرامن اجتماع یا پھر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے کئے جانے والے تشدد سے پہلے تک کے پرامن اجتماع میں شریک متحرک سیاسی اور سماجی کارکنوں کے خلاف جذبات کو مجروح کرنے والے الزامات کے تحت مختلف قسم کے مقدمات دائر کیے گئے۔

18 اکتوبر 2014ء کو انسانی حقوق کے دس متحرک اور سیاسی کارکنوں نے گلگت میں بھارت اور پاکستان کے لیے اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے گروپ کے دفتر کے سامنے بابا جان اور ان کے گیارہ ساتھیوں کو ملنے والی سزاؤں کے خلاف احتجاج کیا۔ احتجاج کرنے والے مطالبہ کررہے تھے کہ بابا جان اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا جائے اور گلگت بلتستان میں دہشت گردی مخالف ایکٹ کے بے جا استعمال کو روکا جائے۔ مظاہرین نے حکومت کے خلاف نعرے بازی کی نتیجتاً ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرلیا گیا۔ 22 اکتوبر کو سیشن کورٹ نے سیاسی کارکنوں کی ضمانتیں منظور کرلیں اس لیے کہ پولیس وہ طریق عمل اختیار کرنے میں ناکام رہی تھی جو قانون کے مطابق بغاوت کے الزام میں ملوث کسی فرد کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ جس مقدمے نے شہرت حاصل کی وہ بابا جان اور گیارہ دوسرے ترقی پسند افراد کے خلاف درج ہونے والا مقدمہ تھا۔ ان کے خلاف گلگت بلتستان میں **2011**ء کے دوران ہنزہ میں بلوہ کرنے کے الزام میں مقدمہ درج کیا گیا اور **2014**ء میں انسداد دہشت گردی کی عدالت نے انہیں عمر قید کی سزا سنادی۔

25 جنوری 2015ء کو ایک سماجی کارکن اور ضلع دیامیر سے گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدوار کے خلاف تعزیراتِ پاکستان کی دفعات 120۔بی (مجرمانہ سازش کے لئے سزا) اور 124۔اے 188 (بااختیار سرکاری ملازم کی حکم عدولی)، 500 (عوامی سطح پر فساد کرنا) دفعہ 504 (امن وامان کو نقصان پہنچانے کے لیے بے عزتی کرنا)، 505 (عوام کے اندر خوف وہراس پیدا کے لیے بیان دینا)، دفعہ 506 (مجرمانہ تخویف میں ملوث ہونا) کے تحت مقدمے درج کئے گئے جن میں کہا گیا کہ انہوں نے ایک مظاہرے کے دوران انٹیلی جنس ایجنسی کے افسر پر سخت تنقید کی۔ ان کے خلاف مقدمہ ایک اسسٹنٹ مجسٹریٹ کی درخواست پر درج کیا گیا۔ انہیں گرفتار کرلیا گیا لیکن چلاس میں سول سوسائٹی کے شدید احتجاج کے پیش نظر انہیں اسی روز رہا کردیا گیا۔ چندروز بعد انہیں دوبارہ گرفتار کرکے جوڈیشل لاک اپ میں بھیج دیا گیا۔ تین روز بعد انہیں ضمانت پر رہا کردیا گیا۔ وہ ایک ایسے گروپ کی قیادت کرتے تھے جو لوگوں کے حقوق مثلاً بجلی کی بندش اور سرکاری ہسپتالوں میں بھاری فیسیں وصول کرنے کے خلاف وقتاً فوقتاً احتجاج کرتا رہتا تھا۔

22 فروری 2015ء کو گلگت میں 19 سیاسی اور فعال سماجی کارکنوں کے خلاف بغاوت کے مقدمات قائم کئے گئے۔ ان کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعات 34 (ایک جیسے ارادے کو آگے بڑھانے میں متعدد افراد کی طرف سے کئے جانے والا مجرمانہ فعل)، 123۔اے (ریاست کی تخلیق کی مذمت اور اس کی سالمیت کے خاتمے کی وکالت کرنا) اور 124۔اے کے تحت مقدمات درج کئے گئے۔ ان فعال کارکنوں نے آل پارٹیز نیشنل الائنس اور قراقرم نیشنل موومنٹ کے اشتراک سے منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں ''تنازعہ کشمیر کے تناظر میں گلگت بلتستان'' کے موضوع پر تقریریں کیں جن پر ان کے خلاف مقدمات درج کئے گئے۔ یہ لوگ آج بھی گلگت میں ان مقدمات کو بھگت رہے ہیں۔ گلگت بلتستان میں پرامن اجتماع کرنے والے افراد اور متحرک سیاسی کارکنوں کے خلاف درج کئے جانے والے مقدمات کی بھرمار نے سول سوسائٹی کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔ سول سوسائٹی نے متنبہ کیا ہے کہ اس طرح کے متشدد اقدامات کرکے نہ تو لوگوں کی آواز کو دبایا جاسکتا ہے اور نہ ہی لوگوں کو اکٹھے ہونے اور اظہار خیال کرنے کے حق سے محروم کیا جاسکتا ہے اور اگر ایسا کیا جاتا ہے تو اس کے منفی نتائج برآمد ہوں گے۔

دنیا بھر میں ہونے والے ایسے ہی واقعات پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلے گا کہ ریاست کی جابرانہ طاقت کے استعمال سے صرف دل برداشتگی اور حکومت کے خلاف بداعتمادی ہی پیدا ہوتی ہے۔ حکام کو چاہئے کہ وہ تاریخ سے سبق حاصل کریں اور وہ سبق یہ ہے کہ اختلاف رائے اور شہریوں کے مطالبات سے نمٹنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو مصروف رکھا جائے، ان کے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا کیا جائے اور ان کی آواز پر کان دھرنے چاہئیں۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ جانا جائے کہ وہ انصاف کے حصول کی جستجو اور حکومتی اقدامات کی جوابدہی کے معاملات اور اپنی تشویش کو دور کرنے کے لیے سڑکوں پر آنے پر مجبور کیوں ہوتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں کام کرنے والوں کو پرامن طریقے سے ہجوم پر قابو پانے کی تربیت دی جائے۔ انہیں وہ طریقے ذہن نشین کرائے جائیں جن میں لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال نہیں ہوتا۔ ایسے طریقے وضع کرنے کی ضرورت ہے جن سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ حالات اتنے خراب نہ ہوجائیں کہ ان پر قابو پانا مشکل ہوجائے۔ اس کے علاوہ شہریوں کو بھی یہ احساس ہو کہ فیصلہ کرنے والے حکام ان کی بات پر کان دھریں گے اور ان کے قانونی مطالبات سڑکوں پر جائے بغیر پورے ہوجائیں گے۔ حکام کو لوگوں کے حقِ احتجاج کا احترام کرنا ہوگا اور حکومت کے ساتھ اختلاف رائے کے حق کا احترام بھی کرنا چاہئے۔ ان کو حقوق دینے کا عمل شفاف ہونا چاہئے۔ اس حوالے سے بابا جان جیسے متحرک افراد کو دی گئی سزائیں ختم کرنے پر غور کیا جائے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

کیا بلوچوں کے لیے کوئی جگہ ہے؟

لمز کے واقعے نے انسانی حقوق سے متعلق کئی مسائل کو جنم دیا ہے

آئی۔ اے۔ رحمٰن

لمز کی تقریب پر لگنے والی پابندی کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ (اس تقریب میں مجھ کو ایک مقرر کے طور پر مدعو کیا گیا تھا)۔ یہ تقریب بلوچستان کی صورت حال پر بات کرنے کے لیے رکھی گئی تھی۔ اگرچہ اس تقریب پر پابندی کے حوالے سے کافی کچھ لکھا گیا ہے تاہم اس غیر معمولی معاملے پر مزید لکھنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس کا تعلق قانون کی حکمرانی کے بنیادی اصولوں اور شہریوں کے کلیدی حقوق سے ہے۔

میڈیا رپورٹس اور متفق الرائے گروپوں کی جانب سے جو بیانات جاری کیے گئے، ان سے اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ بلوچستان میں موجود بے چینی اور اس کے حوالے سے سول سوسائٹی میں پیدا ہونے والی تشویش کے اسباب وعلل کو جاننے کے لیے منعقد ہونے والے اس مباحثہ پر ایک تحریری حکم نامے کے ذریعے پابندی لگا دی گئی۔ یہ تحریری حکم نامہ خود کو آئی ایس آئی کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرنے والے دو افراد نے لمز کی انتظامیہ کے حوالے کیا۔ عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس سخت اقدام کا سبب مقررین کی فہرست میں ماما قدیر کے نام کی شمولیت ہے۔

اب ماما قدیر تو وہ شخص ہے جس کے بارے میں مشہور کیا گیا ہے کہ وہ جھگڑا ٹنٹا کھڑا کرنے کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ ماما قدیر کے خلاف الزامات کی جو فہرست مرتب کی گئی ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو قوم پرست گروہ میں شامل ہونے سے روکنے میں ناکام رہا۔ اس کے علاوہ جب اس کا بیٹا گمشدہ افراد کی فہرست میں شامل ہوا تو ماما قدیر نے بیٹے کی گمشدگی کے خلاف وائس آف بلوچ مسنگ پرسنز کے زیر اہتمام احتجاجی تحریک چلائی۔ اس کے علاوہ ماما قدیر اپنے پانچ سالہ پوتے کو مظاہرے میں ساتھ لایا تاکہ وہ اپنے باپ کی گولیوں سے چھلنی لاش کو دیکھ لے۔ اس طرح ماما قدیر نے اپنے معصوم پوتے کو یہ سکھانے کی کوشش کی کہ وہ ہمیشہ سچ کا ساتھ دے۔ ماما قدیر عمران خان یا طاہر القادری کے تماشے کا حصہ نہیں بنا بلکہ اس نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک پیدل لانگ مارچ کیا اور کوئٹہ، کراچی اور اسلام آباد میں دھرنے دیئے۔

ماما قدیر نے ناول نویس محمد حنیف، ٹی وی اینکر حامد میر کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ان سے صورت حال کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کے علاوہ اس نے سول سوسائٹی کے عام ارکان سے ملاقاتیں کر کے بلوچوں کے کربناک حالات کے بارے میں انہیں آگاہ کیا۔ ہمارے قانون نافذ کرنے والے مستعد اداروں نے ماما قدیر کو ملک سے باہر جانے سے روکا تاکہ وہ باہر کی دنیا کو ان ذمہ داروں کے بارے میں آگاہ نہ کر سکے جنہوں نے بلوچستان کو ''امن اور سکون وشانتی'' کا ''نخلستان'' بنا دیا ہے۔

یہ انتہائی سنجیدہ جرائم ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کسی ایک آدمی کو ایک سے زیادہ بار پھانسی دے کر کیسے مارا جا سکتا ہے لیکن ماما قدیر کے خلاف الزامات ایسے ہیں جن پر اس کو پانچ چھ بار سزائے موت دی جا سکتی ہے لیکن کسی شخص کو ایک سے زیادہ بار کیسے پھانسی دی جا سکتی ہے۔ لیکن جب تک ماما قدیر کو عدالت میں نہیں لایا جاتا اور اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاتا اس وقت تک کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے بنیادی حقوق میں مداخلت کرے۔

بہرحال لمز (لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز) کی تقریب محض ماما قدیر کے خطاب تک محدود تو نہیں تھی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ تقریب پر پابندی عائد کرنے والوں کی طرف سے نظر ثانی شدہ موضوع کے حوالے سے تقریب کی اجازت دینے کی حامی بھرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ بلوچستان کی صورت حال پر بحث مباحثہ تھا اور اس سے انسانی حقوق سے متعلق متعدد مسائل سامنے آتے ہیں۔ کیا بلوچستان کے عوام کی رنجیدگی، ان کی افسردگی اور ان کی پریشانی کے اسباب پر بحث ومباحثہ پر پابندی کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس قسم کے قانونی طور پر ناقابل دفاع اقدامات کر کے ہم بلوچستان کے لوگوں کو کیا پیغام بھیج رہے ہیں۔ کیا ہم ان کو یہ نہیں بتا رہے ہے کہ ان کے لیے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں ہے؟

انٹیلی جنس ایجنسیوں کو واضح قانون کے تحت کام کرنے کے امکان کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ اس سے دوسری باتوں کے علاوہ محکموں کے درمیان فروگزاشتوں پر قابو پانے کا طریقہ کار بھی قائم ہو پائے گا۔ اس کے علاوہ ڈسپلن میں بہتری آئے گی اور انہیں ایسے الزامات سے تحفظ بھی مہیا ہو سکے گا جن کی وہ ذمہ دار نہیں۔

متعلقہ اہلکاروں (تقریب کا اجازت نامہ منسوخ کرنے والے) نے صاحبِ اقتدار کی طرف سے جاری کردہ فرمان کی توثیق وتصدیق میں کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا۔ کیا کسی قانونی سرگرمی میں ایک ایسے حکمنامے کے ذریعے مداخلت کی جا سکتی ہے جس کی توثیق نہ تو کوئی قانون کرتا ہے اور نہ ہی اس فرمان کو جاری کرنے والی اتھارٹی کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ کیا لمز کی انتظامیہ نے ان بظاہر غیر قانونی پابندیوں کے خلاف حکومت سے احتجاج کیا ہے؟ غالباً ان رکاوٹی احکامات (یعنی تقریب نہ کرنے کے) پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے اس اختیار کو وفاقی اور پنجاب حکومتوں کے حکام نے ہیجانی کیفیت میں استعمال کیا۔ انہوں نے سیاق وسباق کو تبدیل کر دیا۔ دونوں حکومتیں قانون اور شہری حقوق کی بے حرمتی کرنے والے بنیادی کردار بن کر سامنے آئیں حالانکہ ان کا فرض تھا کہ وہ اس تعلیمی ادارے اور اس بحث میں شریک تمام لوگوں کو ایسے غیر قانونی احکامات کے خلاف تحفظ فراہم کرتے جبکہ انہوں نے اس کے برعکس کرتے ہوئے اس سازش کا حصہ بن کر جرم کا ارتکاب کیا۔

ایک اہم مسئلہ انٹیلی جنس ایجنسی کا براہ راست مداخلت کرنے کا فیصلہ ہے۔ عام طریقۂ کار یہ ہے کہ اگر کسی انٹیلی جنس ایجنسی کو یہ لگتا ہے کہ قومی مفاد کو کوئی خطرہ ہے تو وہ مناسب اقدامات کے لیے انتظامیہ سے رجوع کرتی ہے تاکہ وہ قانونی اقدام کرے۔ اس طریق کار سے انحراف کے باعث شہریوں کے لیے، حکومت کے لیے اور خود انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لیے متعدد مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

گمشدگیوں کے معاملات کو دیکھنے کے لیے 2010ء میں جو تین رکنی عدالتی کمیشن قائم کیا گیا تھا اس نے دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ اس معاملے پر بھی غور وخوض کیا۔ کمیشن نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے شہریوں / مشکوک لوگوں کی گرفتاریوں کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ایسے عمل میں شامل ہونے پر پولیس کی سخت سرزنش کی۔ کمیشن نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ان اختیارات کے استعمال پر پابندی عائد کر دی جو ان کی عملداری میں نہیں آتے۔ ایک پرامن، علمی بحث جسے کسی مجاز حاکم نے غیر قانونی قرار نہیں دیا، پر پابندی لگانا انتظامیہ کے حقوق میں دخل اندازی کے ساتھ ساتھ خود ایجنسی کے اختیارات کا تجاوز بھی ہے۔

مرکزی مسئلہ یہ ہے کہ اس واقعہ نے ایک بار پھر شتابی کے ساتھ اس ضرورت کو واضح کر دیا ہے کہ ان تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کے طریق کار کے لیے مناسب قوانین لائے جائیں جو کسی قانونی منظوری کے بغیر کام کر رہی ہیں۔ 2010ء کو گزرے چار سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے جب کمیشن نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو کسی طریق کار کے مطابق چلانے کے لیے قانون بنانے کے لیے کہا تھا۔ اس قسم کی تجویز سپریم کورٹ کے سینئر جج جسٹس ثاقب نثار نے بھی دی تھی۔ انہوں نے یہ تجویز اپنی اس رپورٹ میں دی تھی جو انہوں نے اخبار نویس سلیم شہزاد کی گمشدگی اور قتل کے حوالے سے تیار کی تھی۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں کو واضح قانون کے تحت کام کرنے کے امکان کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ اس سے دوسری باتوں کے علاوہ محکموں کے درمیان فروگزاشتوں پر قابو پانے کا طریقہ کار بھی قائم ہو پائے گا۔ اس کے علاوہ ڈسپلن میں بہتری آئے گی اور انہیں ایسے الزامات سے تحفظ بھی مہیا ہو سکے گا جن کی وہ ذمہ دار نہیں۔ قانون کے مطابق کام کرنا انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اسی طرح مفاد میں ہوگا جس طرح عام لوگوں کے مفاد میں ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر حکومت کی حیلہ طرازی قطعی طور پر بلا جواز ہے۔ یہ لمز جیسے بے حرمتی کے مزید واقعات روکنے میں مدد دے گی۔ بنیادی آزادیوں پر حملوں کے خلاف مؤقف اختیار کرنے میں عوام کی ناکامی کے لیے جواز مہیا کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ وہ قومیں جو ناانصافی کے خلاف کھڑی نہیں ہوتیں انہیں زندہ قوموں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

'دولتِ اسلامیہ' کے حملے میں تین اہلکار ہلاک

اورکزئی ایجنسی پہلی مرتبہ دولت اسلامیہ کی طرف سے پاکستان میں سکیورٹی فورسز پر ہونے والے کسی حملے کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے۔ پاکستان میں وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے اورکزئی ایجنسی میں حکام کا کہنا ہے کہ 5 اپریل کو سکیورٹی فورسز پر ہونے والے ایک حملے میں کم سے کم تین اہلکار ہلاک اور تین زخمی ہوگئے ہیں۔ مقامی اہلکاروں کے مطابق یہ واقعہ وسطی اورکزئی ایجنسی کے علاقے کاشہ میں پیش آیا۔ انھوں نے کہا کہ سکیورٹی فورسز کا ایک قافلہ کوہاٹ سے اپر اورکزئی ایجنسی کے علاقے غلجو جارہا تھا کہ اوٹھ میلہ کے مقام پر مسلح افراد نے حملہ کردیا۔ مقامی اہلکاروں کے مطابق حملے میں ابتدائی طور پر فوج کا ایک اہلکار ہلاک اور پانچ زخمی ہوگئے تھے تاہم دو اہلکاروں نے بعد میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ دیا۔ حملے میں تین اہلکار زخمی ہوئے جنھیں سی ایم ایچ کوہاٹ منتقل کیا گیا ہے۔ مقامی ذرائع کا کہنا ہے کہ سکیورٹی فورسز کے قافلے پر مسلح افراد کی طرف سے فائرنگ کی گئی۔ ہلاک ہونے والے اہلکاروں کا تعلق آزاد کشمیر رجمنٹ سے بتایا جاتا ہے۔ تاہم ابھی تک فوج کی طرف سے اس حوالے سے کوئی بیان جاری نہیں کیا گیا ہے۔ ادھر پاکستان میں دولتِ اسلامیہ کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے بی بی سی کو کسی نامعلوم مقام سے فون کر کے اس حملے کی ذمہ داری اپنی تنظیم کی جانب سے قبول کرلی ہے۔ یاد رہے کہ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ دولت اسلامیہ کی طرف سے پاکستان میں سکیورٹی فورسز پر ہونے والے کسی حملے کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے۔ رواں سال جنوری میں عراق اور شام میں سرگرم شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ نے طالبان کے ایک منحرف ترجمان حافظ سعید خان کو پاکستان اور افغانستان کے خطے میں اپنا کمانڈر مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اُن کی تقرری کا اعلان دولتِ اسلامیہ سے منسلک ایک ٹوئٹر اکاؤنٹ سے نشر کیے جانے والے ایک آڈیو بیان میں سامنے آیا تھا۔ خیال رہے کہ اورکزئی ایجنسی میں چند سال پہلے سکیورٹی فورسز کی طرف سے ہونے والے آپریشن کے نتیجے میں بیشتر مقامات کلیئر قرار دیے گئے تھے۔ تاہم حالیہ واقعہ ایک ایسے علاقے میں کیا گیا ہے جہاں اس سے پہلے سکیورٹی فورسز پر کم ہی حملے دیکھنے میں آئے ہیں۔

(نامہ نگار)

فائرنگ کے واقعے میں 20 مزدور ہلاک

تربت تربت میں نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے مزدوروں کے کیمپ پر فائرنگ کردی جس سے 20 مزدور ہلاک ہوگئے۔ تربت کے علاقے گوگ دان میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے 20 افراد کو ہلاک اور متعدد کو زخمی کردیا ہے۔ ڈان نیوز کے مطابق ہلاک ہونے والے تمام افراد مزدور تھے اور یہاں ایک پل کی تعمیرات کے لئے موجود تھے۔ پولیس کے مطابق مسلح افراد موٹر سائیکلوں پر سوار تھے اور انھوں نے رات گئے ان مزدوروں کے کیمپ پر فائرنگ کردی جس کے باعث 20 مزدور ہلاک اور متعدد زخمی بھی ہوئے، واقعے کے بعد حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں کی لاشوں اور واقعے میں زخمی ہونے والے مزدوروں کو ڈسٹرکٹ ہیڈ کواٹر ہسپتال تربت منتقل کیا گیا ہے جبکہ کے واقعے کے بعد علاقے میں خوف وہراس پایا جاتا ہے۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی پولیس اور ایف سی کی بھاری نفری موقع پر پہنچ گئی اور وقوعہ سے شواہد جمع کر کے تفتیش کا آغاز کردیا۔ پولیس کے مطابق تمام مزدوروں کا تعلق سندھ سے ہے تاہم حملہ آوروں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوسکی ہیں۔ ادھر کمشنر مکران پسند خان بلیدی کا کہنا ہے کہ واقعے میں ہلاک ہونے والے 16 مزدوروں کا تعلق صادق آباد اور 4 کا حیدرآباد سے ہے۔ کمشنر مکران نے کہا کہ واقعے میں زخمی ہونے والوں کو بہترین طبی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ انھوں نے واضح کیا کہ واقعے کے بعد پولیس اور سیکیورٹی اداروں نے علاقے کو گھیرے میں لے کر علاقیمیں موجود تمام چوکیوں اور ناکوں کو ہائی الرٹ کردیا ہے۔ کمشنر مکران کا کہنا ہے کہ واقعہ رات ڈیڑھ بجے پیش آیا تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ روزنامہ ڈان)

سڑک کی مرمت کا مطالبہ

بصیرپور حجرہ شاہ مقیم روڈ کی گزشتہ دس سال سے مرمت نہ ہونے کی وجہ سے سڑک بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوچکی ہے۔ اس سڑک کے ساتھ قصبے اور دیہات منسلک ہیں۔ اس سڑک کی خراب صورت کی وجہ سے مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ اس سڑک کی کل لمبائی بائیس کلومیٹر ہے جبکہ بصیر پور تا جر شاہ مقیم بائیس کلومیٹر کا سفر دو گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ سڑک کی خراب صورتحال کی وجہ سے سفر کرنے والی مسافر بسوں اور گاڑیوں کی ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ رات کے اوقات میں گاڑیوں کی سست رفتاری کی وجہ سے اکثر اوقات ڈاکو ان کو لوٹ لیتے ہیں۔ مقامی شہریوں نے مذکورہ سڑک کی خراب حالت کی اصلاح کے لیے متعدد درخواستیں دی ہیں۔ تاہم اس سڑک کی تعمیر ومرمت کا کام تا حال شروع نہیں ہوسکا ہے۔ محمد قاسم نے بتایا کہ بصیر پور تا حجرہ شاہ سڑک گزشتہ دس سالوں سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے تاہم اس سڑک کی مرمت کی طرف کوئی دھیان نہیں دی جارہا ہے۔ ڈسٹرکٹ آفیسر محکمہ شاہرات حکومت پنجاب اوکاڑہ نے بتایا کہ بصیر پور حجرہ شاہ مقیم سڑک کی مرمت کے لیے تا حال فنڈز دستیاب نہیں ہیں۔ فنڈز کی وصولی پر کام شروع ہوسکے گا۔

(نامہ نگار)

6 عسکریت پسند ہلاک

کوئٹہ بلوچستان کے 3 مختلف علاقوں میں سکیورٹی فورسز سے جھڑپوں کے دوران 6 عسکریت پسند ہلاک ہوگئے ہیں جبکہ فورسز نے 3 مبینہ عسکریت پسندوں کو گرفتار کر کے ان سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود بھی برآمد کیا ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ موشکے سے آواران کے علاقے جاہو جانے والے سکیورٹی فورسز کے قافلے پر عسکریت پسندوں کی جانب سے حملہ کیا گیا۔ سکیورٹی فورسز نے جوابی کارروائی کی اور کئی گھنٹوں تک جاری رہنے والی جھڑپ میں 4 عسکریت پسند ہلاک ہوگئے۔ فرنٹیئر کور کے ترجمان کے مطابق فورسز نے پسنی کے ہوائی کنٹرول ریڈار کے سسٹم پر حملہ کرنے والے عسکریت پسندوں کا پیچھا کیا تھا اور ان کو گوادر سے 80 کلومیٹر دور زرین باغ کے علاقے میں گھیرے میں لے لیا۔ جہاں سکیورٹی فورسز اور عسکریت پسندوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا جس میں 2 سکیورٹی اہلکار ہلاک جبکہ 2 عسکریت پسندوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ دوسری جانب ضلع زیارت کے علاقے آگھبراگ کے پہاڑی سلسلے میں سکیورٹی فورسز نے ایک کارروائی کرتے ہوئے ایک عسکریت پسند کو ہلاک جبکہ ایک کو گرفتار کرلیا ہے۔ واقعے کی تفصیلات بتاتے ہوئے ایف سی ترجمان کا کہنا ہے کہ سکیورٹی فورسز نے مچھ کے علاقے میں لورالائی سے تعلق رکھنے والے ضلعی پولیس افسر کی گاڑی پر حملہ کر کے 3 پولیس اہلکاروں کو قتل کرنے والے کالعدم مذہبی تنظیم کے ملزمان کے خلاف سرچ آپریشن کا آغاز کیا تھا تاہم ملزمان نے سکیورٹی اہلکاروں کو دیکھ کر فائرنگ کردی۔ سکیورٹی فورسز کی جوابی فائرنگ میں ایک عسکریت پسند ہلاک جبکہ ایک زخمی حالت میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔

(نامہ نگار)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا اجلاس عام ۔2015ء

آئی۔اے۔رحمٰن سیکرٹری جنرل کی رپورٹ

پاکستان کی تاریخ میں ایسے کئی ادوار آئے ہیں جب ریاست کی کارکردگی رولر کوسٹر پر سفر کی مانند نظر آتی ہے جو کبھی اوپر، کبھی نیچے اور کبھی دائرے میں سفر کرتی ہے لیکن ہمارے گزشتہ برس کے سالانہ اجلاس کے بعد کے بارہ مہینوں میں لوگوں کو جس ناٹک کی پیش کش کی گئی وہ یقینی طور پر غیر معمولی ہے۔

یہ واضح نہیں ہے کہ 2013ء کی منتخب حکومت اور فوج کے درمیان پایا جانے والا اخلوص کس وقت ختم ہونا شروع ہوا۔ تاہم ایک بات تو صاف ہے اور وہ یہ کہ جب نواز شریف بھارت کے نئے وزیر اعظم سے بغلگیر ہونے کے بعد وطن واپس آئے تو دونوں طاقتوں کے درمیان اختلافات واضح شکل اختیار کر چکے تھے۔ سال بھر کے دوران حکومت اپنے اختیار کو منوانے کی بجائے سمجھوتے کی سیاست کے ذریعے خود کو قائم رکھنے کی سعی کرتی رہی اور راستے میں کئی ایسے مقام بھی آئے جہاں یوں لگا جیسے حکومت بہت ہی کم فرق سے طاقت کے کھونٹے پر محض لٹک رہی ہے۔

حکومت نے جو پہلا بڑا سمجھوتہ کیا، وہ عسکریت پسندوں کے بارے میں پالیسی کے حوالے سے تھا جو ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے جنوبی اور شمالی وزیرستان میں قدم جمائے بیٹھے ہیں۔ حکومت انتہا پسندوں کے ساتھ امن قائم کرنے کی خواہاں تھی اور ثالثوں کی ایک ٹیم انتہا پسندوں کے ٹھکانوں پر گئی اور ٹیم نے انتہا پسندوں کے ساتھ ادھر اُدھر باتیں بھی کیں لیکن جلد ہی یہ پیش قدمی رک گئی اور گفتگو کا عمل ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی فوج نے میر علی سے دہشت گردوں کو نکالنے کی کارروائی شروع کر دی۔ جون کے آخر میں ضرب عضب کے نام سے وسیع بنیادوں پر ایک مہم کا آغاز کیا گیا۔ ایک سال گزرنے کے بعد بھی یہ آپریشن جاری ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ کب اختتام پذیر ہو گا۔

یہ سول۔ملٹری تعلقات میں کھچاؤ کا سیاق وسباق ہی تھا کہ جس میں پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک نے لاہور سے اسلام آباد تک لانگ مارچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں جماعتوں نے وزیر اعظم سے مستعفی ہونے، انتخابی اصلاحات اور نظام کی تبدیلی کے مطالبات کیے۔ بہت ہی کم لوگ تھے جو ان دو تازہ ترین واقعات کے درمیان تعلق کو سمجھ نہیں پائے۔ اگرچہ پنجاب حکومت نے طاہر القادری کی ماڈل ٹاؤن والی رہائش گاہ کے باہر سے رکاوٹیں ہٹانے کی جو بھونڈی حرکت کی، اس کے نتیجے میں ایک درجن سے زیادہ لوگوں کی جانیں گئیں۔ واقعہ نے پاکستان عوامی تحریک کو اخلاقی طاقت مہیا کی۔ وفاقی حکومت کو قائل کیا گیا کہ وہ تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے اسلام آباد آنے اور غیر معینہ مدت تک کے لیے دیئے جانے والے دھرنوں کے مقامات کے انتخاب میں کسی طور مداخلت نہ کرے۔ 30 اگست والے تشدد کے مختصر سے واقعہ کے سوا حکومت نے دونوں جماعتوں کو کھلی چھٹی دی کہ وہ شہر میں راج کریں، ٹی

حکومت نے جو پہلا بڑا سمجھوتہ کیا، وہ عسکریت پسندوں کے بارے میں پالیسی کے حوالے سے تھا جو ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے جنوبی اور شمالی وزیرستان میں قدم جمائے بیٹھے ہیں۔ حکومت انتہا پسندوں کے ساتھ امن قائم کرنے کی خواہاں تھی اور ثالثوں کی ایک ٹیم انتہا پسندوں کے ٹھکانوں پر گئی اور ٹیم نے انتہا پسندوں کے ساتھ ادھر اُدھر باتیں بھی کیں لیکن جلد ہی یہ پیش قدمی رک گئی اور گفتگو کا عمل ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی فوج نے میر علی سے دہشت گردوں کو نکالنے کی کارروائی شروع کر دی۔ جون کے آخر میں ضرب عضب کے نام سے وسیع بنیادوں پر ایک مہم کا آغاز کیا گیا۔ ایک سال گزرنے کے بعد بھی یہ آپریشن جاری ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ کب اختتام پذیر ہو گا۔

وی ہیڈ آفس اور قومی اسمبلی کے احاطے پر قبضہ کر لیں۔

ابھی دھرنا جاری تھا کہ پی ٹی آئی کی قیادت نے قومی اور صوبائی (خیبر پختونخوا کے سوا) اسمبلیوں کے اپنے ارکان سے کہا کہ وہ اپنی نشستوں سے استعفے دے دیں۔ حکومت نے ایک بار پھر سمجھوتے کا راستہ اختیار کیا اور آئین کی قانونی تشریح پر سیاسی مفاد پرستی کو فوقیت دی۔ مزید یہ کہ حکومت نے 2013ء کے انتخابات میں دھاندلی کے الزامات کی تحقیقات کے لیے عدالتی کمیشن قائم کر کے آئینی ماہرین کو حیرت زدہ کر دیا۔

ان تمام واقعات نے انسانی حقوق کے لیے جو انتہائی سنجیدہ مسائل پیدا کیے، وہ درج ذیل ہیں:

☆ قبائلی علاقوں میں فوجی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طرف سے ہونے والے ڈرون حملوں کے باعث نہتے شہریوں کی ہلاکتوں کے حوالے سے انسانی حقوق کے فعال کارکنوں کی تشویش میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ان آپریشنوں کے بارے میں اطلاعات کا ذریعہ صرف سرکاری طور پر جاری کی جانے والی خبریں ہی تھیں اس لیے کہ جنگ کے میدان تک رسائی تقریباً ناممکن تھی۔ ہلاکتوں کی تعداد کی آزادانہ ذرائع سے تصدیق ممکن نہیں تھی۔ اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ مرنے یا زخمی ہونے والے غیر فوجی شہریوں کی تعداد کیا تھی۔

☆ فوجی آپریشن کے باعث جو لوگ بے گھر ہوئے، ایک تخمینے کے مطابق ان کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ اور بے گھر ہونے والے یہ لوگ مسلسل شکایت کرتے رہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا، نہ تو انہیں امداد دی جاتی ہے، اور نہ ہی ان کی آبادکاری کے لیے کچھ کیا جاتا ہے۔

☆ یہ ایک خوش آئند بات تھی کہ پاکستان عوامی تحریک اور پاکستان تحریک انصاف کو احتجاج کرنے کی آزادی ملی۔ یہ عمل احتجاج کو تشدد کے ذریعے روکنے کی ہماری روایتی پالیسی سے بالکل ہٹ کر تھا اور خوش آئند تھا۔ لیکن جلد ہی یہ واضح ہو گیا کہ یہ آزادی صرف اجارہ دار اعلیٰ طبقات ہی کے لیے ہے اور کمزور طبقات یعنی خواتین، اقلیتوں یا بینائی سے محروم افراد کے لئے نہیں۔

☆ عوام کو قانونی طریقے سے اپنے حقوق کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے دہشت گردی کے ہوّے کو استعمال کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا۔ انسانی حقوق کے فعال کارکنوں کو خطرہ ہے کہ انسداد دہشت گردی کے قانون کا غلط استعمال کیا جائے گا۔ انہیں یہ بھی خطرہ ہے کہ تحفظ پاکستان ایکٹ اور ایکشن ان ایڈ آف سول ریگولیشن کے غلط استعمال میں اضافہ ہو گا۔

☆ آرمی پبلک سکول پشاور پر ہونے والی دہشت گردی میں 150 معصوم افراد کی جانیں گئیں۔ اس ہولناک واقعہ کے بعد حکومت نے سزائے موت پر

عمل درآمد کی عارضی معطلی کو ختم کر دیا اور دو ہفتوں سے بھی کم مدت میں 2014ء کے اختتام تک سات مجرموں کو پھانسی دے دی گئی۔ پچھلی جمعرات تک پھانسی لگنے والے افراد کی تعداد 74 تک پہنچ گئی۔ جس طریقے سے ان سزاؤں کی تشہیر کی جا رہی ہے اس سے ہمارا معاشرہ مزید بہیمیت کا شکار ہو رہا ہے اور اعتدال پسندی اور تحمل کی جو تھوڑی بہت علامتیں باقی رہ گئی تھیں، وہ بھی ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد ختم ہو جائیں گی۔

☆ انسانی حقوق کے فعال کارکنوں کا خیال ہے کہ پھانسی کی سزا کی بحالی اس شرط کی نفی ہے جسے پاکستان نے جی ایس پی پلس کی حیثیت حاصل کرتے وقت تسلیم کیا تھا۔ یہ 27 باضابطہ رسمی معاہدوں پر عمل درآمد کے حوالے سے پیدا ہونے والی امیدوں پر ضرب کاری سے کم نہیں۔

☆ پشاور کے ہولناک واقعہ کے بعد دہشت گردی کے خلاف لڑنے کے لیے جس قومی اتحاد کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اس کو انسانی حقوق کے متحرک کارکنوں نے بے حد سراہا ہے۔ تاہم انہیں اس مہم کی سمت پر شبہ ہے۔ اس لیے کہ جس انداز سے سیاسی مخالفین کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور مذہبی عسکریت پسندوں کو استثنا دی جا رہی ہے، وہ انتہائی تشویشناک ہے۔ ان لوگوں میں جانی پہچانی کالعدم تنظیموں کے رہنما بھی شامل ہیں اس کے علاوہ انسانی حقوق کا کوئی بھی فعال کارکن ایسا نہیں جو نہ صرف فوجی عدالتوں کے قیام کو مسترد کرتا ہے بلکہ اس اقدام کو عدلیہ کے اختیارات میں بے جا مداخلت قرار دینے کے علاوہ لوگوں کے بنیادی حقوق پر براہ راست حملہ تصور کرتا ہے۔

جس طریقے سے دہشت گردی کے خلاف جنگ نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ تمام شعبوں میں فوج کے کردار کو سینئر کھلاڑی کے طور پر تسلیم کرے، اسی طرح عدلیہ کی طرف سے عدم صلاحیت یا عسکریت پسندی کی طرف بڑھتے ہوئے حکومتی رجحان کو روکنے میں تامل برتنے پر ملک بھر میں انسانی حقوق کے حوالے سے صورت حال بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔

بلوچستان حسب سابق طرح اُبل رہا ہے۔ قوم پرست منحرفین کے ساتھ مصالحت ممکن نہیں ہو سکی۔ اس سے نئی حکومت کی ان کوششوں پر اثر پڑا جو وہ مخالفین کے دل جیتنے کے لیے اقتصادی ترقی کے اقدامات کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس حکومت نے دوسرے بہت سے عوام دوست اقدامات کیے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ سکیورٹی فورسز بلوچستان کے بڑے حصے میں آپریشن کر رہی ہیں۔ اس سے منحرفین کی تعداد میں اور اضافہ ہوگا۔ معصوم جانوں کے نقصان پر انسانی دُکھوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بلوچستان کے حوالے سے حکام کیا سوچتے ہیں، اس کا اندازہ اس موضوع پر لمز لاہور میں ہونے والی گفتگو پر لگائی جانے والی پابندی سے ہو جاتا ہے۔

پشاور کے ہولناک واقعہ کے بعد دہشت گردی کے خلاف لڑنے کے لیے جس قومی اتحاد کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اس کو انسانی حقوق کے متحرک کارکنوں نے بے حد سراہا ہے۔ تاہم انہیں اس مہم کی سمت پر شبہ ہے۔ اس لیے کہ جس انداز سے سیاسی مخالفین کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور مذہبی عسکریت پسندوں کو استثنا دی جا رہی ہے، وہ انتہائی تشویشناک ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حکومت انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کچھ نہیں کر پائی۔ اس نے انسانی حقوق پر قومی کمیشن بنا تو دیا لیکن تاحال یہ کمیشن کام شروع نہیں کر پایا۔ کمیشن کے قیام میں بھی خاصی تاخیر ہوئی۔

قومی اسمبلی میں پیش کیا جانے والا ہندو میرج بل ایک خوش آئند پیش رفت ہے لیکن زیادہ خوشی تب ہوتی جب عرصہ دراز سے زیر غور پڑے ہوئے بلوں کی منظوری ہو جاتی۔ ان بلوں میں کرسچین ڈائیورس (امینڈمنٹ) بل، ڈومیسٹک وائلنس بل وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حکومت نے سائبر کرائم بل پیش کر کے سول سوسائٹی کو ہلا کر رکھ دیا ہے اس لیے کہ اس بل سے لوگوں کے حقوق کو سنجیدہ خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دریں اثناء مذہبی اقلیتوں شیعہ مسلمان، سماجی طور پر مجبور خواتین، بچے اور مزدور پہلے کی طرح آج بھی اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ اس بارے میں آپ کو تفصیلات 2014ء کی سالانہ رپورٹ میں ملیں گی۔ خوفزدہ کر دینے والی بات یہ ہے کہ انسانی حقوق کی بدترین شکل ابھی ظاہر ہونے والی ہے۔

میں چاہوں گا کہ اب آپ سے مختصراً یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ آپ کے کمیشن نے 2014ء کے دوران کیا کیا۔ ہمارے لیے 2014ء کا سال بے حد مصروفیت کا سال تھا۔ آئی سی جے کے اشتراک سے 2013ء میں شروع کیا جانے والا پروگرام جاری رہا۔ اس کے علاوہ دو نئے پروگرام شروع کیے گئے۔ ایک مذہب یا عقیدے کی آزادی اور دوسرا تشدد سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں پروگرام یورپی یونین اور اوایم سی ٹی کے اشتراک سے شروع کیے گئے ہیں۔ ان سے نہ صرف یہ کہ ہمارے وسائل 60 فیصد بڑھے ہیں بلکہ ہمارے کام میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ نئے لوگ شامل کر کے صورت حال پر قابو پایا جائے لیکن اس میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے باعث ہم وقت پر کام مکمل کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پائے۔ بہرحال اس مسئلہ پر قابو پانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ہماری معمول کی سرگرمیاں یعنی انسانی حقوق کی زیادتیوں کے اعداد و شمار کو اکٹھا کرنا، اس ڈیٹا کی الیکٹرونک سٹوریج اور کلاسیفکیشن، آن لائن استعمال کے لیے آرکائیول ریکارڈ کی منتقلی کا کام جاری رہا۔ اسی طرح شکایات سیل کا کام بھی حسب معمول جاری رہا۔ وفاقی اور صوبائی بجٹوں کا تجزیہ، سالانہ رپورٹوں کی اشاعت کا کام بھی جاری رہا۔ ان سرگرمیوں میں کمزور طبقات کی تکالیف کی تفتیش و تحقیق، فاٹا میں اصلاحی عمل کا جائزہ، الیکشن کمیشن کی اصلاح کی صورت حال، اضلاع میں عوامی آگہی کے حوالے سے اجلاسوں کا انعقاد، شدت پسندی کے خلاف لڑنے کے لیے لوگوں کو تیار کرنا، جیلوں کا سروے، ایم ڈی جی زپر ورکشاپس، استطاعت کے مطابق ہیلتھ کور، خواتین کی ملازمتوں اور اجرتوں سے متعلق مسائل، کسان کنونشن، نوجوانوں کے میلے اور مصنفین کے کنونشن وغیرہ شامل ہیں۔ جبری گمشدگیوں کے خلاف مہمات اور سزائے موت کے خلاف مہم ہماری سرگرمیوں کا حصہ رہیں۔ ان سرگرمیوں کی تفصیلات آپ سالانہ رپورٹ میں دیکھ سکیں گے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق محض پاکستان میں انسانی حقوق کے مقصد کو لے کر آگے نہیں بڑھ رہا بلکہ یہ عوام اور خصوصاً کمزور طبقات کی مدد کرتا ہے۔ ان کی امیدوں کو زندہ رکھتا ہے اس لیے وہ ناانصافی کے شکار افراد کی مدد کو فوری طور پر پہنچتا ہے، ان کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، ان کے لیے آواز بلند کرتا ہے جبکہ دوسرے بہت سے لوگ ایسے مواقع پر خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ایسے وقت میں جب رجائیت میں کمی کا احساس ہو، تو ہمیں اپنے اس عزم کا اعادہ کرنا چاہیے کہ ہم یقینی طور پر دنیا کو خوشنما اور بہتر بنانے کے لیے پاکستانی عوام کی قوت پر اعتماد کریں گے۔ ہم عوام کی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے دنیا کو خوبصورت بنائیں گے۔ ایسی خوبصورت اور نئی دنیا جسے لے کر کمیشن کے بہادر بانیان نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔

☆☆☆

حسابات کا گوشوارہ

31 دسمبر 2014 کو کمیشن کی مالی حیثیت کے خلاصے کا متن درج ذیل ہے

وصولیوں اور اخراجات کا گوشوارہ:	2013	2014
وصولیاں	000,روپے	000,روپے
عطیات/چندے	76,336	122,419
دیگر وصولیاں	3,246	4,263
میزان	**79,582**	**126,682**

اخراجات	000,روپے	000,روپے
سرگرمیوں کے اخراجات	69,727	110,709
انتظامی اخراجات	7,107	10,923
دیگر آپریٹنگ اخراجات	271	497
مالی اخراجات	68	143
مجموعی اخراجات	**77,173**	**122,272**
آئندہ کے منصوبہ جات کے لیے	**2,409**	**4,410**

بیلنس شیٹ

	2013	2014
فنڈز	000,روپے	000,روپے
عمومی اثاثہ جات	38,280	38,280
مستقبل کی سرگرمیوں کے لیے دستیاب	11,180	15,590
میزان	**49,460**	**53,870**
مشتمل		
مستقل اثاثے	16,578	18,183
سرمایہ کاری، بنکوں میں جمع رقوم اور کل رواں اثاثے	32,882	35,687
میزان	**49,460**	**53,870**

امن کمیٹیوں کے ممبران حملوں سے خوفزدہ

سوات سوات کے مختلف علاقوں میں 2014 کے دوران امن کمیٹیوں کے 20 کے قریب ممبران کو ہدف بنا کر قتل کیا گیا۔ پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا کی وادی سوات میں قومی لشکر اور امن کمیٹیوں کے ممبران کی ہلاکت کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے اور اب سکیورٹی حکام نے انھیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے۔ سوات میں شدت پسندوں کی جانب سے امن کمیٹیوں کے ممبران اور قومی لشکر کے رضا کاروں کو آئے روز دھمکیاں ملتی رہتی ہیں۔ وہاں ان کمیٹیوں کے ممبران کو عسکریت پسندوں کی جانب سے حملوں کا خطرہ بھی رہتا ہے تاہم مقامی لوگ اس حوالے سے کہتے ہیں کہ شدت پسندوں کا آسان اہداف کے جانب مائل ہونا ان کی کمزوری کی علامت ہے اور وہ دہشت گردی کے خلاف حکومت اور عوام کا عزم توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سوات میں امن کمیٹیوں کے ممبران کو سکیورٹی فورسز کی طرف سے ہدایات دی گئی ہے کہ وہ رات کو گھروں سے نہ نکلیں اور غیر ضروری سفر سے گریز کریں اور اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ ساتھ رکھیں۔ سوات میں فوج کے شعبہ تعلقات عامہ یعنی آئی ایس پی آر کے ترجمان کرنل فاروق نے بتایا کہ سوات میں اب مکمل طور پر امن قائم ہے تاہم امن کمیٹیوں کے ممبران اپنے اردگرد کے ماحول اور انجان لوگوں پر نظر رکھیں تا کہ علاقے میں امن و امان کی صورتحال مزید مستحکم ہو۔ امن کمیٹیوں کے ممبران پر شدت پسندوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کی وجہ سے متعدد ممبران علاقہ چھوڑ گئے ہیں۔ سوات قومی امن جرگے کے ترجمان رحمت شاہ نے بتایا کہ امن کمیٹیوں کے ممبران کی ٹارگٹ کلنگ میں شدت اور دھمکیوں کے بعد بیشتر ممبران یا تو بیرون ملک منتقل ہو چکے ہیں یا علاقہ چھوڑ کر ملک کے دیگر نسبتاً محفوظ علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ سوات میں طالبان کے خلاف آپریشن کے بعد فوج اب بھی تعینات ہے۔ انھوں نے نیک پی خیل امن جرگے کے ادریس خان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ بھی اپنے خاندان سمیت امریکہ منتقل ہو چکے ہیں۔ رحمت شاہ نے مزید بتایا کہ امن کمیٹیوں کے ممبران کو ملنے والی دھمکیوں کی وجہ سے سکیورٹی فورسز نے انھیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے۔ سوات قومی امن جرگے کے سربراہ سید انعام الرحمان نے بتایا کہ علاقے کی جغرافیائی صورتحال سے واقف امن لشکر اور امن کمیٹیاں اپنے علاقوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کر رہی ہیں تاہم کافی عرصے سے یہ کمیٹیاں حکومتی عدم توجہ کا بھی شکار ہیں اور آج تک سوات کے کسی بھی علاقے میں دہشت گردوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے امن کمیٹی کے ممبر کے ورثا کو حکومت کی طرف سے کسی قسم کی امداد نہیں دی گئی۔ خیال رہے کہ سوات کے مختلف علاقوں میں 2014 کے دوران امن کمیٹیوں کے 20 کے قریب ممبران کو ہدف بنا کر قتل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے امن کمیٹیوں کے ممبران خوف کا شکار ہیں۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے امن کمیٹیوں کے ممبران علاقے سے نقل مکانی کر چکے ہیں اور نقل مکانی کا یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

(نامہ نگار)

امن کمیٹی کے سربراہ ہلاک

ٹانک خیبر پختونخوا کے جنوبی ضلع ٹانک میں نامعلوم افراد نے 31 مارچ کو فائرنگ کر کے مقامی امن کمیٹی کے سربراہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ پولیس کے مطابق یہ واقعہ گومل میں کوٹ سید بادشاہ کے قریب پیش آیا ہے اور حملے میں دو رضا کار زخمی بھی ہوئے ہیں۔ پولیس اہلکار نے بتایا کہ نامعلوم افراد راستے پر گھات لگا کر بیٹھے تھے اور امن کمیٹی کے سربراہ شیر پاؤ محسود اپنے رضا کاروں کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ راستے میں گھات لگائے حملہ آوروں نے ان پر فائرنگ کر دی۔ پولیس کے مطابق اس حملے میں شیر پاؤ محسود ہلاک ہو گئے جبکہ انور اور وسیم نامی دو رضا کار شدید زخمی ہوئے ہیں۔ ایسی اطلاعات ہیں کہ امن کمیٹی کے سربراہ رضا کاروں کے ہمراہ کوٹ اعظم میں اپنے دفتر کی جانب جا رہے تھے۔ کوٹ اعظم کا یہ علاقہ ٹانک سے جنوبی وزیرستان کی جانب جانے والے راستے کے قریب واقع ہے۔ ٹانک میں امن کمیٹی کے رہنماؤں اور رضا کاروں پر یہ پہلا حملہ نہیں۔ شدت پسندوں کے خلاف مقامی سطح پر حکومت کی حمایت سے امن کمیٹیاں اور امن لشکر کے نام سے مسلح گروپ تشکیل دیے گئے۔ گذشتہ سال فروری میں بھی امن کمیٹی کے مقامی رہنما اور رضا کار شدت پسندوں کے ساتھ جھڑپ میں ہلاک ہو گئے تھے جبکہ 2013 میں بھی یہاں نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے امن کمیٹی کے دو رضا کاروں کو ہلاک کیا تھا۔ پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا اور قبائلی علاقوں میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شدت پسندوں کے خلاف مقامی سطح پر حکومت کی حمایت سے امن کمیٹیاں اور امن لشکر کے نام سے مسلح گروپ تشکیل دیے گئے تھے۔ یہ کمیٹیاں اور لشکر بعض علاقوں میں موثر رہے لیکن کچھ مقامات پر ان کے خلاف شکایات بھی موصول ہوئی تھیں۔ حال ہی میں حکومت نے شمالی وزیرستان کے متاثرین کی واپسی سے قبل وہاں کے قبائلی رہنماؤں سے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں جا کر شدت پسندوں کے خلاف امن لشکر قائم کریں تاہم ان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے اور وہ شدت پسندوں کے خلاف لشکر نہیں بنا سکتے۔ ان کے مطابق پاکستان کے تمام شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کی ذمہ داری حکومت کی ہے اور حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرے۔

(نامہ نگار)

حیات آباد میں دھماکا، حملہ آور ہلاک

پشاور صوبہ خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور کے علاقے حیات آباد میں 28 اپریل کو ہونے والے بم دھماکے کے نتیجے میں ایک شخص ہلاک ہوگیا۔ پولیس ذرائع کے مطابق حیات آباد کے علاقے باغ ناران چوک میں ریموٹ کنٹرول بم نصب کیا گیا تھا، جو زوردار دھماکے سے پھٹ گیا۔ دھماکے کے نتیجے میں ایک شخص زخمی ہوا، جو بعد ازاں حیات آباد میڈیکل کمپلیکس میں دوران علاج دم توڑ گیا۔ ایس ایس پی آپریشنز کا کہنا ہے کہ دھماکے میں حملہ آور خود ہلاک ہوا جس کی عمر 16 سے 18 برس تھی۔ ان کے مطابق دھماکے میں سکیورٹی فورسز کے قافلے کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی، تاہم واقعے میں کوئی اہلکار زخمی نہیں ہوا۔ ابتدائی رپورٹس کے مطابق دھماکہ حیات آباد میں نجی اسکول کے قریب ہوا، جو دھماکے کے وقت بند تھا۔ دھماکے کے بعد پولیس اور سیکیورٹی فورسز کی بھاری نفری جائے وقوع پر پہنچ گئی، جبکہ شواہد اکھٹے کر کے تفتیش کا آغاز کر دیا گیا۔

(نامہ نگار)

تین افراد اغواء

خضدار خضدار کی تحصیل وڈھ سے تین نوجوان اغواء ہوگئے۔ محمد عنایت اللہ نامی ایک شخص نے پولیس تھانہ وڈھ میں درخواست دائر کی کہ 20 مارچ کو ان کے عزیز جمعہ خان، سفر خان پسران خیر محمد اقوام رمضان زئی اور احمد ولد عبدالرحمٰن قوم لانگو وڈھ بازار سے گھر کی جانب جا رہے تھے کہ کاکا ہیر کے مقام پر قومی شاہراہ سے نامعلوم افراد نے انہیں اغواء کرلیا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔

(محمد یونس)

ایک شخص قتل

خضدار ضلع خضدار کی تحصیل زہری میں نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے ضلع قلات سے تعلق رکھنے والے قبائلی رہنماء عبدالغنی جاں بحق ہو گئے۔ 20 مارچ کو تحصیل زہری کے علاقہ نورگامہ میں نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے عبدالغنی کو زخمی کر دیا جنہیں لیویز اہلکاروں نے ہسپتال پہنچایا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ لیویز نے ضروری کاروائی کے بعد مقتول کی نعش کو ورثاء کے حوالے کر کے واقعہ کے متعلق تفتیش شروع کر دی ہے۔

(محمد یونس)

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2014۔رپورٹ کے اہم نکات

قوانین اور قانون سازی

☆ پارلیمنٹ نے دس قوانین بنائے۔یہ تعداد پچھلے برس کی نسبت آدھی سے بھی کم ہے۔پچھلے برس پارلیمنٹ نے 22 قوانین بنائے تھے۔

☆ پارلیمنٹ نے جو چند اہم قوانین منظور کیے ان کا تعلق سالمیت کے تحفظ، عدالتی نظام، دہشت گردی کے خاتمہ سے تھا۔ اس میں تحفظ پاکستان ایکٹ 2014ء شامل ہے۔

☆ صوبوں میں 137 قوانین بنائے گئے۔ یہ قوانین مختلف اور اہم معاملات سے متعلق تھے۔

☆ سال کے دوران صوبوں میں خیبر پختونخوا میں سب سے زیادہ ایکٹ اور آرڈی ننس منظور کیے گئے۔اس کے بعد سندھ، پنجاب اور پھر بلوچستان کا نمبر آتا ہے۔

☆ 2011ء میں ہندو میرج بل اور کرسچئن ڈائیوورس بل پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے جو تاحال زیرغور ہیں۔گھریلو تشدد کے بل پر بھی کوئی پیش رفت ممکن نہ ہوسکی۔

انصاف کا انتظام وانصرام

☆ ملک بھر میں تاحال سترہ لاکھ ترانوے ہزار مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت پڑے ہیں۔

☆ قوانین اور ان پرعمل درآمد کے درمیان فرق کے باعث جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا جبکہ سزائیں دینے کے عمل میں کمی نظر آئی۔خصوصاً اقلیتوں اور معاشرے کے کمزور طبقات کے خلاف جرائم میں نمایاں اضافہ ہوا۔

☆ عدالتی اور قانونی اصلاحات کے حوالے سے کسی قسم کی کوششیں ہوتی نظر نہیں آئیں۔لگتا تھا کہ قانون ساز ادارے ان قوانین کے نفاذ میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے جن کے ذریعے شہریوں کے حقوق اور ان کی آزادیوں کی قیمت پر ریاستی تحفظ کو فروغ ملتا ہے۔

☆ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی تحقیق کے مطابق سال کے دوران مذہبی دل آزاری سے متعلق جرائم پر 37 مقدمات درج کیے گئے۔ان میں سے سات مقدمات دفعہ 295 سی کے تحت درج کیے گئے جس کے تحت سزائے موت لازمی ہے۔

امن وامان

☆ ملک بھر میں 2014ء کے دوران لوگوں اور جائیداد کے خلاف 627,116 مقدمات درج ہوئے۔اس کے مقابلے میں 2013ء میں ان مقدمات کی تعداد 634,404 تھی۔

قوانین اور ان پرعمل درآمد کے درمیان فرق کے باعث جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا جبکہ سزائیں دینے کے عمل میں کمی نظر آئی۔خصوصاً اقلیتوں اور معاشرے کے کمزور طبقات کے خلاف جرائم میں نمایاں اضافہ ہوا۔

یہ کمی برائے نام تھی۔

☆ 2014ء کے دوران سندھ پولیس نے خواتین کے اغواء کے 1261 مقدمات درج کیے۔ان خواتین کو زبردستی شادی کے لیے اغوا کیا گیا تھا۔ پاکستان میں تیزاب پھینکنے کے 114 مقدمات درج ہوئے۔ 159 افراد اس بھیانک جرم کا نشانہ بنے۔

☆ 2014ء کے دوران دہشت گردی کے 1206 حملوں میں 1723 افراد جاں بحق اور 3143 افراد زخمی ہوئے۔ان میں 26 خودکش حملے بھی شامل ہیں۔فرقہ وارانہ تشدد سے جاں بحق ہونے والوں کی تعداد 210 تھی۔

☆ اہدافی حملوں میں بارہ ڈاکٹر اور 13 وکلاء جاں بحق ہوئے۔

☆ پولیو ٹیموں کے 45 ارکان، جن میں ویکسی نیٹر اور سہولت کار شامل ہیں، جاں بحق ہوئے۔

☆ ایچ آر سی پی کی مانیٹرنگ کے مطابق سال کے دوران قانون نافذ کرنے والے اداروں کی حراست میں چار خواتین اور دو نابالغوں سمیت 63 افراد جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ صرف 14 واقعات کی ایف آئی آر درج کی گئی۔ سات خواتین سمیت 47 افراد کو حراست کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

☆ سندھ میں 2014ء کے دوران 3392 پولیس مقابلے ہوئے جبکہ 2013ء میں ان کی تعداد 2616 تھی۔کراچی میں فرائض کی ادائیگی کے دوران پولیس اور رینجرز کے 160 اہلکار فائرنگ کے دوران جاں بحق ہوئے۔ جبکہ پولیس کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والے مجرموں کی تعداد 925 تھی۔خیبر پختونخوا پولیس نے مختلف مقابلوں میں 26 افراد کو ماردیا۔پنجاب پولیس نے 276 مشتبہ مجرموں کو ہلاک کردیا جبکہ 322 کو گرفتار کرلیا گیا۔ 2014ء میں جاں بحق ہونے والے پولیس اہلکاروں کی تعداد 27 تھی۔اس کے علاوہ 59 مشتبہ مجرم اور 73 پولیس اہلکار 283 پولیس مقابلوں میں زخمی ہوئے۔

جیل خانے اور قیدی

☆ عدالتوں نے 231 افراد کو موت کی سزا سنائی۔ حکومت نے 2014ء کے آخر میں پھانسی کی سزا پر عائد عارضی پابندی اٹھالی اور سال کے اختتام تک سات افراد کی پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کردیا گیا تھا۔

☆ سزائے موت پر عارضی پابندی ساڑھے گیارہ ماہ تک رہی لیکن 16 دسمبر کو آرمی پبلک سکول پشاور پر حملے کے بعد اس عارضی پابندی کو ختم کر دیا گیا۔

☆ پنجاب کی 32 جیلوں میں قیدیوں کی تعداد 49560 تھی ان میں 32514 وہ افراد تھے جن کے مقدمات زیر سماعت تھے۔

☆ بلوچستان کی کل 11 جیلوں میں قیدیوں کی تعداد 2,980 تھی ان میں 1214 وہ افراد

تھے جن کے مقدمات زیر سماعت تھے۔

☆ گلگت بلتستان کی سات جیلوں میں قیدیوں کی تعداد 307 رہی جن میں سے 212 افراد وہ تھے جن کے مقدمات زیر سماعت تھے۔

☆ پنجاب بھر کی جیلوں میں 31 قیدی ایسے تھے جنہیں ایڈز اور 80 قیدیوں کو ایچ آئی وی پازیٹو کی تشخیص ہوئی۔

☆ 2014ء کے دوران سندھ سے 11 سیاسی قیدی غائب کر دیئے گئے۔

نقل وحرکت کی آزادی

☆ مسلح تصادم، کرفیو کے نفاذ یا کرفیو جیسے حالات، اندرون ملک بے گھری، لاقانونیت یا چند علاقوں میں حکومتی اختیار کی عدم موجودگی کے باعث نقل وحرکت کی آزادی اور اپنی رہائش گاہ کے انتخاب پر بلا واسطہ یا بالواسطہ بھاؤ تاؤ کیا گیا۔ بھاری سفری اخراجات، سڑکوں کی خستہ حالی، ٹرینوں یا ریلوے ٹریکوں پر حملے اور سفر کے ذرائع اور وسائل میں کمی نقل و حرکت میں رکاوٹ کا سبب بنی۔

اگیزٹ کنٹرول لسٹ کے تحت شہریوں کے غیر ملکی سفر پر کچھ پابندیاں عائد رہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر اور دوسرے ملکوں میں سفارت خانو ں کی طرف سے پاکستانی شہریوں کو پاسپورٹ کے حصول میں بلا وجہ تاخیر کے بہت سے واقعات سامنے آئے جس کے باعث سفر میں دشواریاں پیش آئیں۔

☆ فاٹا سے بے گھر ہونے والے افراد کے کچھ صوبوں میں داخلے کی مخالفت کی گئی اور ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ یہ صورت حال زیادہ تر جون اور جولائی میں پیش آئی۔

☆ قرضوں میں جکڑے لاکھوں مزدور حقیقتاً غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

☆ اگیزٹ کنٹرول لسٹ کے تحت شہریوں کے غیر ملکی سفر پر کچھ پابندیاں عائد رہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر اور دوسرے ملکوں میں سفارت خانو ں کی طرف سے پاکستانی شہریوں کو پاسپورٹ کے حصول میں بلا وجہ تاخیر کے بہت سے واقعات سامنے آئے جس کے باعث سفر میں دشواریاں پیش آئیں۔ ہوائی جہازوں اور کراچی کے ہوائی اڈے پر حملوں، سکیورٹی کے باعث کچھ فضائی کمپنیوں کی طرف سے پروازوں کی منسوخی اور بڑھتے ہوئے پولیو کے واقعات کے سبب پاکستان پر عالمی ادارہ صحت کی طرف سے سفر کی پابندیاں عائد ہونے کے باعث آمدورفت میں بے حد کمی آئی۔

☆ بلوچستان کے راستے سفر کرنے والے شیعہ زائرین کی بسیں اور گلگت بلتستان اور ملک کے دوسرے علاقوں کے درمیان چلنے والی چھوٹی بسیں (وین) پولیس کی حفاظت میں سفر کرتی رہیں۔

☆ حکومت خواتین کو یہ تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہی کہ وہ اپنے خاندان کے مردوں کے بغیر شہر کے بازاروں میں آزادی سے گھوم پھر سکیں۔

سوچ، عقیدے اور مذہب کی آزادی

☆ سندھ میں ہندوؤں اور مسیحیوں کی گیارہ عبادت گاہوں پر حملے کیے گئے۔

☆ بلوچستان میں ذکری عقیدہ رکھنے والوں پر دو حملے کیے گئے۔ ان حملوں میں چھ افراد جاں بحق اور سات زخمی ہوئے۔

☆ پاکستان بھر میں فرقہ وارانہ تشدد کے کل 144 واقعات میڈیا کے ذریعے سامنے آئے۔ یہ تمام واقعات فرقہ وارانہ دہشت گردی سے متعلق تھے جبکہ فرقہ وارانہ تصادم کے تین واقعات سامنے آئے۔

☆ کوٹ رادھا کشن، پنجاب میں ایک مسیحی جوڑے کو ہجوم نے قتل کر کے لاشوں کو جلا ڈالا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے قرآن پاک کے نسخے کی بے حرمتی کی تھی۔

☆ ہدف بنا کر کیے جانے والے حملوں میں گیارہ احمدیوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔

☆ وفاقی حکومت نے ایسے قوانین نہیں بنائے جن کے ذریعے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو سکے۔ تاہم صوبائی سطح پر صرف خیبر پختونخوا اسمبلی نے اقلیتوں سے متعلق دو بل منظور کیے۔

☆ فاٹا میں فوجی آپریشن کے باعث تقریباً 157 خاندانوں کو نقل مکانی کرنی پڑی۔ بعض خاندانوں نے شکایت کی کہ آئی ڈی پی کیمپوں میں انہیں امتیازی سلوک کا نشانہ بننا پڑا۔

اظہار رائے کی آزادی

☆ میڈیا کے حوالے سے پاکستان دنیا کا سب سے زیادہ خطرناک ملک شمار کیا گیا۔ صرف 2014ء کے دوران 14 صحافی اور میڈیا ورکرز جاں بحق ہوئے۔ اظہار رائے کی اس سے زیادہ اور کیا تضحیک ہو سکتی ہے۔

حال ہی میں اطلاعات تک رسائی سے متعلق قوانین کے تحت اطلاعات تک رسائی کے لیے جو درخواستیں دی گئیں ان کا وفاقی حکومت، بلوچستان اور سندھ کی حکومتوں کی طرف سے جواب ہی نہیں دیا گیا۔

☆ 2014ء کے دوران اظہار رائے کی آزادی کو درپیش چیلنجوں اور بندشوں میں کسی قسم کی کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔

☆ حال ہی میں اطلاعات تک رسائی سے متعلق قوانین کے تحت اطلاعات تک رسائی کے لیے جو درخواستیں دی گئیں ان کا وفاقی حکومت، بلوچستان اور سندھ کی حکومتوں کی طرف سے جواب ہی نہیں دیا گیا۔

☆ 2014ء کا سال میڈیا کے حوالے سے مائل بہ پستی رہا۔ ایک بڑے نیوز نیٹ ورک کو کیبل آپریٹروں کے ذریعے بند رکھا گیا۔ اس کے علاوہ ایک سیاسی شخصیت کی طرف سے صحافیوں کو دھمکیاں دی گئیں۔ مزید برآں قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی نے رپورٹنگ کی حدود اور نوعیت پر پابندیاں لگانے کا مطالبہ کیا۔

☆ میڈیا کو جن بڑے مسائل کا سامنا رہا، ان میں سرفہرست مذہب کی بے حرمتی تھی۔ ان مسائل کی اشاعت کے حوالے سے میڈیا کو معمولی جرمانے اور ایسی خبروں کی اشاعت پر پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان اداروں نے اشاعت کو جاری رکھنے کے لیے خود پر

پابندیاں عائد کرلیں۔

اجتماع کی آزادی

☆ 16 جون کو پاکستان عوامی تحریک اور پولیس کے درمیان ہونے والے تصادم میں 14 افراد جاں بحق ہوگئے۔

☆ وزیراعظم کی برخاستگی اور ملک کے سیاسی نظام کو سدھارنے کے حوالے سے پاکستان عوامی تحریک نے ''انقلاب مارچ'' کے عنوان سے ریلیاں نکالیں۔

☆ مئی 2013ء میں ہونے والے قومی انتخابات

20 جون کو ہزاروں افراد، جن میں زیادہ تعداد خواتین اور بچوں کی تھی، بلوچستان کے شہر پنجگور میں سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے مسلسل پانچ روز سے نجی سکولوں کی بندش کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

میں 64 نشستوں پر ہونے والی مبینہ دھاندلیوں کے خلاف 14 اگست کو ریلیاں شروع کی گئیں جو 16 دسمبر کو پشاور کے ایک سکول پر ہونے والی دہشت گردی کی کارروائی کے بعد ختم کردی گئیں۔

☆ اگست تک پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے 1980 کارکن پنجاب کی جیلوں میں قید تھے۔

☆ 20 جون کو ہزاروں افراد، جن میں زیادہ تعداد خواتین اور بچوں کی تھی، بلوچستان کے شہر پنجگور میں سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے مسلسل پانچ روز سے نجی سکولوں کی بندش کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

انجمن سازی کی آزادی

☆ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں 2014ء کے دوران 134 سیاسی کارکن قتل کر دیئے گئے۔

☆ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی طرف سے پاکستان کے 48 مائل بہ تشدد اضلاع کی مانیٹرنگ کے مطابق 2014ء کے دوران صحافیوں اور انسانی حقوق کا دفاع کرنے والوں کے خلاف 19 حملے کیے گئے۔

☆ میڈیا رپورٹس کے مطابق پاکستان میں دسمبر 2012ء سے دسمبر 2014ء تک کے عرصے میں کم از کم تیس پولیو ویکسی نیٹر اور ان کی حفاظت پر مامور تیس پولیس والے جاں بحق ہوئے۔

☆ پنجاب میں ایچ آر سی پی کے کوآرڈی نیٹر اور انسانی حقوق کے فعال کارکن راشد رحمان کو 7 مئی کو ملتان میں گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ قتل کی وجہ یہ تھی کہ شہید راشد رحمان توہین رسالت کے مبینہ ملزم کی عدالت میں وکالت کر رہے تھے۔

☆ نیشنل انٹرنل سکیورٹی پالیسی کے مطابق حکومت کی طرف سے سکیورٹی کے متعلق ایک دستاویز شائع کی گئی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں ساٹھ کالعدم تنظیمیں دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہیں۔

سیاسی عمل میں شرکت

☆ 2014ء کے دوران سیاسی سرگرمیوں میں عوام کی شرکت بھرپور رہی۔ تاہم یہ شرکت احتجاجوں، ریلیوں، دھرنوں، سوشل میڈیا، سول نافرمانی اور ملک بھر میں کاروبار کی بندش کی صورت میں نظر آئی۔

☆ پی ٹی آئی اور پی اے ٹی کے احتجاجوں نے اس ضرورت کو نمایاں کیا کہ عوام کے احتجاج کرنے کے حق اور عوام کے حقوق اور مفادات کو ریاستی تحفظ دینے کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔

☆ اس سال کے دوران سیاست میں غیر اہم طبقات کی شرکت مزید محدود ہوگئی۔

☆ بلوچستان میں ماضی میں ''مارو اور ٹھکانے لگا دو'' کی جس پالیسی پر عمل درآمد کیا جاتا رہا ہے، زیر بحث سال کے دوران یہ پالیسی سندھ کے قوم پرستوں کے خلاف بھی استعمال کی گئی۔

☆ سیاسی تحریکوں میں خواتین کی بے مثال شرکت کے بارے میں نازیبا باتیں کہی گئیں۔ چند قدامت پسند اور انحطاط پرست عناصر نے خواتین کے اس عمل کو غیراخلاقی قرار دے دیا۔

☆ پی ٹی آئی نے نوجوانوں کو پارٹی کی رکنیت دے کر انہیں سیاسی عمل میں متحرک کیا۔

☆ سال کے دوران مذہبی اقلیتوں پر پرتشدد حملے جاری رکھے گئے۔ اس کا مقصد اقلیتوں کی سیاسی عمل میں شرکت سمیت بھرپور زندگی گزارنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا تھا۔

☆ بلوچستان کے سوا باقی تمام صوبے بلدیاتی انتخابات کروانے کی قانونی اور انتظامی ضرورت پوری کرنے سے گریزاں رہے۔

☆ مقامی آبادی کو اختیارات دینے کے نئے نظام کو متعارف کروانے میں گلگت بلتستان کی حکومت ناکام رہی۔

خواتین

☆ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مطابق 2014ء میں 597 خواتین اور لڑکیاں اجتماعی زیادتی کا شکار ہوئیں۔ 828 کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ 36 خواتین کو لوگوں کے سامنے ننگا کر کے ذلیل کیا گیا۔ 923 خواتین اور 82 نابالغ بچیوں، جن میں سے 21 کا تعلق گلگت بلتستان سے تھا کو عزت کے نام پر

بلوچستان میں ماضی میں ''مارو اور ٹھکانے لگا دو'' کی جس پالیسی پر عمل درآمد کیا جاتا رہا ہے، زیر بحث سال کے دوران یہ پالیسی سندھ کے قوم پرستوں کے خلاف بھی استعمال کی گئی۔

قتل کر دیا گیا۔ 92 خواتین اور 13 نابالغ لڑکیوں پر تیزاب پھینکا گیا جن میں سے سات جاں بحق ہوگئیں۔ اس کے علاوہ 60 خواتین سلنڈر پھٹنے، سٹوو کے پھٹنے اور آگ لگنے سے جاں بحق ہوئیں۔

☆ گلوبل جینڈر گیپ رپورٹ (جی جی جی آر) 2014ء کے مطابق مردوں کے مقابلے میں صحت، تعلیم اور روزگار تک خواتین کی رسائی کے حوالے سے ترتیب دی گئی فہرست میں پاکستان آخری سے صرف ایک درجہ اوپر تھا۔

☆ پنجاب حکومت نے سال کے دوران 47 ہزار لیڈی ہیلتھ ورکرز کی ملازمتوں کو باقاعدہ بنایا۔ ملازمت کرنے والی خواتین کے لیے 65 ڈے کیئر مراکز قائم کرنے اور دیہی علاقوں کی چار ہزار خواتین کے لیے تربیتی پروگرام متعارف کروانے کے اعلانات کیے۔

☆ خیبر پختونخوا میں خواتین کا پہلا اینٹی ٹیرر

کمانڈوز سکواڈ قائم کیا گیا جنہیں مردوں کے ساتھ ہی تربیت دی گئی۔ حکومت نے خواتین کی شکایات کے ازالے کے لیے پولیس سٹیشنوں پر خواتین کی معاونت کے ڈیسک قائم کیے۔

☆ اپنی 17 جولائی 2014ء کی رپورٹ میں عالمی ادارہ صحت نے شمالی وزیرستان میں ہونے والی جنگ کے باعث بے گھر ہونے والے 9 لاکھ 50 ہزار افراد کی جو فہرست شائع کی اس میں 73 فیصد تعداد خواتین اور بچوں کی تھی۔

☆ قانون، انصاف اور انسانی حقوق کی وزارت نے اذیّت میں مبتلا خواتین کے لیے ہیلپ لائن 1414 قائم کی جو 24 گھنٹے کام کرتی رہی۔ اس ہیلپ لائن کے ذریعے ایسی خواتین، ویمن پولیس آپریٹروں سے بات کر کے اپنی شکایات درج کرواسکتی تھیں۔

☆ دی پنجاب ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ نے کسی قسم کی فیس کی ادائیگی کے بغیر تکلیف میں مبتلا خواتین کی شکایات درج کرنے کے لیے ایک ہیلپ لائن شروع کی جو روزانہ صبح آٹھ بجے سے سہ پہر چار بجے تک کام کرتی ہے اور جہاں پر پنجاب بھر سے خواتین اپنی شکایات درج کراسکتی ہیں۔

☆ خواتین کی سماجی حیثیت کے حوالے سے پنجاب کمیشن قائم کیا گیا جس کا مقصد خواتین کے اختیارات کو تسلیم کرنا، ان کی سماجی و اقتصادی ترقی کے لیے راستے تلاش کرنا اور ان کے خلاف امتیازات کی تمام شکلوں کو ختم کرنا تھا۔

☆ سندھ میں ریسٹرینٹ آف چائلڈ میرج ایکٹ 1929ء میں ترمیم کے ذریعے لڑکیوں کے لیے شادی کی کم سے کم عمر اٹھارہ سال مقرر کر دی گئی۔

☆ بلوچستان کی حکومت نے جون 2014ء میں ڈومیسٹک وائلنس (پری وینشن اینڈ پروٹیکشن) بل 2014ء کو منظور کر کے گھریلو تشدد کو جرم قرار دے دیا۔

بچے

☆ حکومت نے 2015ء تک پانچ سال سے کم عمر کے بچوں میں ہونے والی اموات کی تعداد کو 52 فی ہزار تک محدود کرنے کا جو ہدف مقرر کیا تھا، حکومت وہ ہدف پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

☆ سال کے دوران خشک سالی، ناقص اور ناکافی غذا اور ماؤں کی دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث تھرپارکر سندھ میں 650 بچوں کی اموات ہوئیں۔

☆ الف اعلان نے انکشاف کیا کہ ڈھائی کروڑ بچے (یعنی، پاکستان میں کل بچوں کا 47 فیصد حصہ)، سکول نہیں جاتے۔ ان بچوں میں 68 فیصد وہ بچے ہیں جو کبھی سکول نہیں گئے جبکہ 32 فیصد ایسے بچے ہیں جو عمر کے کسی نہ کسی حصے میں کچھ وقت کے لیے سکول میں داخل ہوئے۔

خواتین کی سماجی حیثیت کے حوالے سے پنجاب کمیشن قائم کیا گیا جس کا مقصد خواتین کے اختیارات کو تسلیم کرنا، ان کی سماجی و اقتصادی ترقی کے لیے راستے تلاش کرنا اور ان کے خلاف امتیازات کی تمام شکلوں کو ختم کرنا تھا۔

☆ سندھ میں بچوں کے تحفظ کے حوالے سے جس قانون سازی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا وہ تھا سندھ چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی ایکٹ 2011ء۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس قانون کی منظوری کے تین سال گزر جانے کے باوجود اس کا نفاذ عمل میں نہیں آسکا۔

☆ سندھ پاکستان کا وہ پہلا صوبہ ہے جہاں بچوں کی شادی پر پابندی کا بل منظور کیا گیا۔

☆ ساحل نے انکشاف کیا ہے کہ جنوری 2014ء سے 30 ستمبر 2014ء تک کے دوران بچوں کے ساتھ جنسی درندگی کے 311 واقعات سامنے آئے۔ ان میں 214 لڑکیاں اور 97 لڑکے تھے۔ یاد رہے کہ ان تمام بچوں کا تعلق راولپنڈی اور اسلام آباد سے تھا۔

☆ ایچ آر سی پی کی مانیٹرنگ کے مطابق 27 بچیوں سمیت 120 بچوں کو سال کے دوران جسمانی سزا کا نشانہ بنایا گیا۔

☆ گلوبل سلیوری انڈکس 2014ء (عالمی سطح پر غلامی کی فہرست) کے مطابق پاکستان میں بچوں سے مزدوری لینا معمول کا حصہ ہے۔

☆ موجود اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر کی جیلوں میں 1126 نابالغ بچے قید ہیں۔ ان میں 764 پنجاب میں، 313 سندھ میں اور تین گلگت بلتستان کی جیلوں میں قید ہیں۔

☆ پنجاب میں بچوں کی پیدائش کی رجسٹریشن کی شرح میں اضافہ کرنے کے لیے پنجاب ویمن ایمپاورمنٹ انیشی ایٹو آف 2014ء کے تحت صوبے بھر میں یونین کونسل کی سطح پر رجسٹریشن کی فیس ختم کر دی گئی ہے۔

لیبر

☆ یورپی یونین نے پاکستان کو جی ایس پی پلس کی حیثیت دلوادی جو یکم جنوری سے مؤثر ہوئی۔ اس کے حوالے سے شرط یہ ہے کہ پاکستان کو آئی ایل او کے آٹھ میثاقوں (معاہدوں) پر من و عن عمل درآمد کرنا ہوگا۔

☆ نجکاری کمیشن نے نو اداروں کی نجکاری کا اعلان کیا جس کے خلاف محنت کشوں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔

☆ انٹرنیشنل ٹریڈ یونین کنفیڈریشن (آئی یو ٹی سی) کے گلوبل رائٹس انڈکس 2014ء کے مطابق 1 سے 5 پلس کے سکیل پر پاکستان چوتھے درجے پر ہے۔ یہ درجہ بندی ظاہر کرتی ہے کہ خلاف ورزیاں جان بوجھ کر کسی مقصد کے تحت کی گئی تھیں۔

☆ پنجاب اور سندھ کی حکومتوں نے غیر ہنرمند محنت کشوں کے لیے کم سے کم ماہانہ اُجرت بارہ ہزار روپے مقرر کی۔ خیبر پختونخوا حکومت نے کم سے کم اجرت پندرہ ہزار روپے اور بلوچستان حکومت نے کم سے کم اجرت نو ہزار سے بڑھا کر دس ہزار روپے کر دی۔

☆ میڈیا رپورٹس کے مطابق 2014 کے دوران کم از کم 38 پیشہ ورانہ حادثات پیش آئے۔ ان حادثات میں 82 افراد جاں بحق اور 88 افراد زخمی ہوئے۔

تعلیم:

☆ ہمارے ہاں تعلیم کے لیے مختص وفاق اور صوبوں کے اجتماعی بجٹ پورے ایشیاء میں سب سے کم ہیں جو مجموعی قومی پیداوار (جی

ڈی) کا صرف 2 فیصد ہے۔

☆ ملک بھر میں اور خصوصاً بلوچستان اور شمال مغربی علاقوں میں تعلیمی اداروں پر حملے پورے سال کا معمول بنے رہے۔ پشاور میں آرمی پبلک سکول پر ہونے والی دہشت گردی کے نتیجے میں 150 شہادتیں ہوئیں جن میں زیادہ تر تعداد طلبہ کی تھی۔

☆ پاکستان دنیا کا وہ دوسرا ملک ہے جہاں نائجیریا کے بعد سکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد 55 لاکھ کے آس پاس ہے۔

صحت

☆ سال 2014ء کے دوران پولیو کے 306 نئے مریضوں کے واقعات سامنے آنے کے بعد پاکستان وہ ملک بن گیا ہے جو اس مرض سے سب سے زیادہ متاثرہ ہے۔ سال کے دوران دنیا بھر میں پولیو کے جو 356 مریض سامنے آئے ہیں ان میں سے 86 فیصد مریض پاکستان میں سامنے آئے۔ سال 2014ء کے دوران پولیو ٹیموں جن میں ویکسی نیٹر، معاون کار اور حفاظت کار شامل تھے، کے 45 ارکان قتل کردیئے گئے۔

☆ ایک سال سے کم عمر میں وفات پا جانے والے بچوں کی تعداد 95 فی ہزار رہی جبکہ دوسرے ملکوں میں یہ تعداد 60 فی ہزار ہے۔

☆ حمل کے حوالے سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور بچپن کی شادی کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی تعداد ایک لاکھ میں 276 رہی۔

☆ پاکستان میں ایک جسم سے دوسرے جسم میں خون کی منتقلی کی خدمات نہ تو منظم ہیں اور نہ ہی یہ کسی اصول اور قاعدے کے تحت کی جاتی ہیں۔ انتقال خون کی خدمات کے حوالے سے نیشنل پالیسی اینڈ سٹریٹیجک فریم ورک 2014-20ء صحیح سمت کی طرف ایک قدم ہے۔

☆ دماغی صحت کے مریضوں کے لیے کوئی مناسب قانونی ڈھانچہ موجود نہیں۔ صرف سندھ حکومت نے ایک قانون منظور کیا ہے لیکن 2014ء کے آخر تک اس حوالے سے قواعد وضوابط تیار ہونا باقی تھے۔

ہاؤسنگ

☆ 2014ء کے آخر تک نوے لاکھ مکانات کی کمی قائم تھی۔ ان میں سے شہری علاقوں میں یہ تعداد تیں لاکھ سے 35 لاکھ تھی اور یہ ضرورت کم آمدنی والے خاندانوں کی تھی۔

> سال **2014**ء کے دوران پولیو کے **306** نئے مریضوں کے واقعات سامنے آنے کے بعد پاکستان وہ ملک بن گیا ہے جو اس مرض سے سب سے زیادہ متاثرہ ہے۔ سال کے دوران دنیا بھر میں پولیو کے جو **356** مریض سامنے آئے ہیں ان میں سے **86** فیصد مریض پاکستان میں سامنے آئے۔ سال **2014**ء کے دوران پولیو ٹیموں جن میں ویکسی نیٹر، معاون کار اور حفاظت کار شامل تھے، کے **45** ارکان قتل کردیئے گئے۔

☆ گھروں کی بہت زیادہ مانگ کے باوجود مکانات میں سرمایہ کاری بے حد کم رہی۔ یہ (جی ڈی پی) مجموعی قومی پیداوار کا صرف ایک فیصد تھی۔

☆ پاکستان میں شہری سیاق وسباق کے حوالے سے کرایہ پر مکان لینا استطاعت سے باہر سمجھا جاتا ہے۔

☆ ملک بھر میں آبادی والے علاقوں میں آگ لگنے کے واقعات سب سے بڑی رکاوٹ رہے۔

ماحولیات

☆ 2014ء کے دوران سندھ اور خیبر پختونخوا حکومتوں نے ماحولیاتی تحفظ کا ایکٹ (انوائرنمنٹل پروٹیکشن ایکٹ) منظور کر کے باقی صوبوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ بھی ماحولیاتی تحفظ سے متعلق ایکٹ اختیار کریں۔

☆ خیبر پختونخوا میں پی ٹی آئی کی حکومت نے شجرکاری کے پانچ سالہ پروگرام کا اعلان کیا جس کے تحت صوبے میں جنگلات میں بیس سے تیس فیصد تک اضافہ کیا جانا تھا۔

☆ موسمی تبدیلی کے باعث متعدد علاقوں کو خوراک کی کمی اور سیلابوں کا سامنا کرنا پڑا۔

☆ ختم ہوتی ہوئی نسل کے دوسو سے زائد کچھوؤں، جنہیں سمگل کر کے چین بھیج دیا گیا تھا، کو سندھ وائلڈ لائف ڈیپارٹمنٹ اور ڈبلیو ڈبلیو ایف، پاکستان کی مشترکہ کوششوں سے پاکستان واپس لایا گیا۔

☆ بلوچستان ہائی کورٹ نے مرغ زرّیں سمیت تمام نایاب پرندوں کا شکار بلوچستان میں ممنوع قرار دے دیا۔

مہاجرین

☆ افغانستان سے آنے والے پندرہ لاکھ مہاجرین کو رجسٹر کیا گیا تھا اور اتنی ہی تعداد میں افغان مہاجرین بغیر رجسٹریشن کے پاکستان میں رہ رہے ہیں۔ یہ تعداد 2014ء کے اختتام تک کی ہے۔ 2014ء کے دوران صرف 12991 افغان مہاجرین اپنے وطن واپس گئے۔

☆ فاٹا کے خیبر اور شمالی وزیرستان کے علاقوں سے کم از کم 25 لاکھ ساٹھ ہزار افراد بے گھر ہوئے۔ یہ لوگ انتہا پسند گروہوں کے خلاف ہونے والے فوجی آپریشن کے باعث بے گھر ہوئے۔ اس سے قبل ہونے والے آپریشنوں کے دوران فاٹا کے دوسرے اضلاع سے لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے تھے۔

☆ مسلسل چوتھے سال بڑے پیمانے پر آنے والے سیلابوں سے 25 لاکھ افراد متاثر ہوئے۔ ان میں سے پانچ لاکھ افراد صرف صوبہ پنجاب میں بے گھر ہوئے۔

☆ سندھ میں تھر اور پنجاب میں چولستان کے صحرا سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ قحط سالی کے باعث دوسرے علاقوں کو منتقل ہوئے۔

☆ سرحد پار سے بھارتی افواج کی فائرنگ کے باعث سیالکوٹ کے درجنوں دیہات سے تقریباً چالیس ہزار افراد کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔

☆ 1971 سے بنگلہ دیش میں محصور لاکھوں پاکستانیوں کی بے وطنی کو ختم کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔

زباں بندی کے قانون کو وسیع کرنے کے اقدامات

آئی۔ اے۔ رحمٰن

سائبر کرائم بل کے مصنفین نے زباں بندی کے اپنے منصوبے کو چھپانے کے لئے آرٹیکل 19 کا سہارا لے کر لوگوں کو بہکانے کی کوشش کی

انسانی حقوق کی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے ماہرین کی طرف سے الیکٹرانک کرائمز کی روک تھام (پی ای سی۔ پریونیشن آف الیکٹرانک کرائمز) سے متعلق نئے بل کی بڑے پیمانے پر ہونے والی لعنت ملامت کے باعث حکومت کے پاس صرف ایک ہی معقول راستہ باقی بچا ہے اور وہ یہ کہ اس ناشائستہ تجویز کو واپس لے کر اسے پھر سے مسودہ تیار کرنے والے بورڈ کے پاس بھیج دے۔

سائبر کرائم کی روک تھام کی کوششیں ایک عشرے سے ہو رہی ہیں۔ مستحکم جمہوریتوں سے صرف یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے غلط استعمال کو روکیں گی جبکہ ناقص طرزِ نظام کی حامل حکومتیں برقیاتی ذریعے سے منتقل کی جانے والی انفارمیشن کو سنسر کرنے اور اس پر کنٹرول کرنے کے طریقے تلاش کرتی رہتی ہیں۔ قومی اسمبلی کی متعلقہ قائمہ کمیٹی نے بل کا جو مسودہ منظور کیا ہے، وہ مسترد کر دیے جانے کے قابل ہے اس لئے کہ یہ پاکستان کو دوسرے زمرے یا خانے میں دھکیلتا ہے۔ اس موضوع پر تحریر کئے گئے بلوں کی تاریخ وفاقی اتھارٹی کی طرف سے جنرل پرویز مشرف کے بدنام زمانہ پاکستان الیکٹرانک کرائم آرڈی ننس کو پھر سے زندہ کرنے کے احمقانہ عزم کا انکشاف کرتی ہے۔ مشرف کے پاکستان الیکٹرانک کرائم آرڈی ننس کی طرح اس بل کو بھی بداعتمادی کا شاخسانہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

بیان یہ کیا جاتا ہے کہ پریونیشن آف الیکٹرانک کرائمز (پی ای سی) بل کا مسودہ 2014ء میں اس موضوع کے ایک جانے پہچانے ماہر کی مدد سے تیار کیا گیا تھا لیکن ناکافی علم رکھنے والے اہلکاروں نے اس کو ایک ایسے مسودے کی شکل دے دی جس میں بہت سے قانونی سقم پیدا ہو گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نظر ثانی شدہ بل، قانون سازی کے بنیادی اصولوں ہی سے انحراف لگتا ہے۔ اس لئے کہ قانون سازی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ تمام قوانین میں حسبِ مراد الفاظ استعمال کئے گئے ہوں تا کہ اس قانون کی وسیع تر تشریح سے انتشار نہ پیدا ہو۔

بل کے سول سوسائٹی کے ناقدوں نے سروس پرووائڈر (خدمات مہیا کرنے والا) کی وسیع تر تعریف پر جو تنقید کی وہ جائز ہے۔ سروس پرووائڈر نہ صرف ٹیلی کمیونیکشن اور آئی ایس پیز کا احاطہ کرتا ہے بلکہ انٹرنیٹ کیفے بھی اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقیقت میں اس اصطلاح میں حقوق سے متعلق تنظیمیں شامل ہیں جو لوگوں کے حقوق کی پامالی سے متعلق معلومات دوسروں تک پہنچاتی ہیں۔ بل سے متعلق ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ سروس مہیا کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنا ڈیٹا نوے روز تک موقوف نہ کریں۔ تاہم اب اس مدت میں ایک برس تک کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اس زحمت کے علاوہ جو آرٹیکل آئی ٹی استعمال کرنے والوں پر لاگو کیا جاتا ہے، اس کے تحت بل میں سرکاری سطح پر ڈیٹا پر قبضہ کرنے کے عمل کو قانونی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عدالتی احکامات کے تحت فوجداری مقدمات کی سماعت کے دوران مطلوبہ ڈیٹا کے حصول کے لئے نئی ترمیم کی گئی ہے جس کے مطابق نئی دفعہ 32، کسی بااختیار افسر کو ڈیٹا تک رسائی، ان کی نقول کے حصول یا تمام تر معلومات پر قبضہ کرنے کے لامتناہی اختیارات مہیا کرتی ہے۔

سنسر شپ کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دہ بنانے کی خواہش میں، بل کے مصنفین نے پُرفریب اور غیر قانونی پیغامات بھیجنے کے ساتھ ساتھ بن مانگی معلومات کی وسیع اقسام کو منتقل کرنے کے لئے بل کو مجرمانہ شکل دے دی ہے۔

انگڑ کھنگڑ میل (جنک میل) سے پیدا ہونے والی بدمزگی اور خفگی کے باوجود بن مانگی معلومات کی مجرمانہ منتقلی مضحکہ خیز حرکت ہے۔ اس لئے کہ یہ بن مانگی معلومات کمیونٹی کے لئے سود مند ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر قدرتی آفات، آلودگی میں اضافہ، ٹریفک کی بھیڑ وغیرہ کے

سول سوسائٹی کے لئے خطرے کی گھنٹی نظر ثانی شدہ بل کی دفعہ 34 (کچھ عرصہ پہلے تک کی دفعہ 31) ہے جس کے ذریعے پاکستان ٹیلی کمیونیکشن اتھارٹی (پی ٹی اے)، انٹیلی جنس کا بندوبست اور کسی بھی اطلاعاتی نظام کے ذریعے کسی بھی قسم کی معلومات تک رسائی کو روکنے یا اسے ہٹانے کی ہدایات جاری کرنے کا اختیار حاصل کر لے گی۔

بارے میں انتباہ۔

سول سوسائٹی کے لئے خطرے کی گھنٹی نظر ثانی شدہ بل کی دفعہ 34 (کچھ عرصہ پہلے تک کی دفعہ 31) ہے جس کے ذریعے پاکستان ٹیلی کمیونیکشن اتھارٹی (پی ٹی اے)، انٹیلی جنس کا بندوبست اور کسی بھی اطلاعاتی نظام کے ذریعے کسی بھی قسم کی معلومات تک رسائی کو روکنے یا اسے ہٹانے کی ہدایات جاری کرنے کا اختیار حاصل کر لے گی۔ آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ حکومت یہ اختیار چاہتی ہے کہ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے والے پاکستانیوں کی ورلڈ وائڈ ویب تک رسائی حاصل کر لے تا کہ سرکاری سطح پر ہونے والی غلطیوں کو عام کرنے یا ریاستی پالیسی پر بین الاقوامی سطح پر ناپسندیدگی کے اظہار کو دوسروں تک پہنچنے سے روکا جا سکے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوگا کہ انسانی حقوق کی تنظیموں، اخبارات کے آن لائن ایڈیشنوں کے ذریعے ایسی معلومات کو پھیلنے سے روکا جا سکے جو حکومت کے مطابق بہت زیادہ حساس نوعیت کی ہیں۔ مثال کے طور پر توہینِ مذہب کے مقدمات، گمشدگیوں اور قانون سے بالاتر قتل وغیرہ۔

اسلام کی سربلندی یا پاکستان کی سالمیت، تحفظ یا دفاع کے لئے، دوسرے ملکوں کے ساتھ باہمی دوستانہ تعلقات، توہین عدالت یا اس ایکٹ کے تحت کسی بھی جرم پر معلومات کو روکنے کا اختیار پی ٹی اے یا اس کی طرف سے نامزد کردہ کسی بااختیار افسر کو حاصل ہوگا۔ اس بل کے مصنفین نے منہ بند کرنے کے اپنے منصوبے پر پردہ ڈالنے کے لئے آئین کی دفعہ 19 کا استعمال کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان کے تمام آئینوں (1956ء اور 1973ء کے آئین) نے آزادیٔ اظہار کے حق کو قانون کے تحت مناسب پابندیوں کے نفاذ کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مناسب پابندیاں کیا ہیں؟ قانون میں مناسب پابندیوں کی وضاحت ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ قانون شکنی کے معاملات میں غیر قطعی معانی کے حامل الفاظ پر مشتمل آئینی شق پر عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔

جرائم پر بالترتیب آئین کی دفعہ 19 میں توہین عدالت یا ریاست کی سالمیت کے خلاف جرم کی تعریف نہیں کی گئی۔ ان جرائم پر بالترتیب توہین عدالت کے ایکٹ اور تعزیراتی ضابطہ کے تحت کارروائی کی جاتی ہے۔ پی ٹی اے کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سا اقدام یا کون سی بات توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے یا کون سا اقدام ریاست کی سلامتی یا تحفظ کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اور صرف عدلیہ کے پاس ہے۔

ریاست کے تحفظ کو درپیش خطرات اور توہین عدالت کی تعریف قوانین میں کر دی گئی ہے لیکن ''اسلام کی عظمت'' جیسے اظہاریے کی تعریف تاحال کسی قانونی ضابطے میں نہیں کی گئی۔ الیکٹرانک جرائم کی روک تھام (پی ای سی) کا بل پی ٹی اے کو یہ غیر معمولی اختیار دیتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ عظمتِ اسلام ہم سے کس چیز کی متقاضی ہے یا کس چیز کی ممانعت کرتی ہے۔

ایک دور تھا جب عظمتِ اسلام کی یہ محدود سی تعریف کی جاتی تھی کہ اس کا مطلب واضح طور پر بیان کئے گئے مذہبی فرائض کی انجام دہی تھا۔ لیکن آج لوگوں کا ایک مختصر سا گروہ بچپن کی شادی، بچیوں کی تعلیم پر پابندی، معاشرتی زندگی سے خواتین کی علیحدگی اور عقیدے کی آڑ میں امتیازی سلوک کو رواج دینے پر اصرار کرتا ہے۔ الیکٹرانک جرائم کی روک تھام (پی ای سی) کا بل بظاہر ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے مذہبی سوچ میں شدید رجعت پرستی کو قانونی شکل دی جا سکتی ہے۔ تشویشناک امر وہ امکان ہے جس کے مطابق معمول کے تعزیراتی قوانین کے تحت کارروائی کے متقاضی جرائم کی سماعت پی ای سی قانون کے تحت بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ قطعی طور پر غیر ضروری ہی نہیں بلکہ بلا جواز بھی ہے اور اس سے عدالتی نظام کو غیر محسوس طور پر نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پاکستانی قانون سازوں کو پہیہ ایجاد نہیں کرنا۔ انہیں چاہئے کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں سائبر کرائم کے قوانین رائج ہیں اور ان قوانین کو عدالتوں میں کس کس قسم کے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کا مطالعہ کریں، ان کا جائزہ لیں۔ ریاستی کار پردازوں کو تمام تر سائبر سپیس پر تسلط جمانے کی اجازت دینے سے پاکستان کے مشترکہ اصول وقواعد کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر یہ اجازت دینے کا کیا فائدہ! یہ تو لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ معلومات کو روکنے کا یہ قطعی مطلب نہیں ہو سکتا کہ خفیہ سرگرمیوں میں ملوث ناپختہ ذہن والے حکام کی من مانیوں کو تحفظ دیا جائے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ڈان)

حکومت انسانی حقوق کے تحفظ میں ناکام ہو تو دوسرے ادارے یہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں

2014ء کے دوران پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر رپورٹ جاری کردی گئی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا 29واں اجلاس عام 19اپریل 2015ء کو لاہور میں کمیشن کے دفتر میں منعقد ہوا۔ اس سے قبل 17اور 18اپریل کو تربیتی ورکشاپوں کا انعقاد ہوا جبکہ 17اپریل کو کمیشن کے سیکرٹری جنرل جناب آئی اے۔رحمٰن نے ایک پریس کانفرنس میں 2014ء کے دوران ''پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال'' پر کمیشن کی طرف سے تیار کردہ سالانہ رپورٹ جاری کی۔اس موقع پر ان کے ساتھ انسانی حقوق کی ممتاز رہنما عاصمہ جہانگیر اور کمیشن کی چیئرپرسن محترمہ زہرہ یوسف بھی موجود تھیں۔ پریس کانفرنس ملک کے مختلف اخباروں میں جس طرح شائع کی گئی ان میں سے صرف ڈان کی ایک رپورٹ شائع کی جارہی ہے جبکہ باقی اخباروں میں شائع شدہ خبروں کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔اس کے علاوہ رپورٹ پر چند اخبارات نے اداریے کالم بھی لکھے، وہ بھی اس تحریر میں پیش کئے گئے ہیں۔

لاہور۔(زری جلیل سے)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سیکرٹری جنرل آئی۔اے۔رحمٰن نے کہا ہے کہ ''2014ء کے دوران مجموعی طور پر انسانی حقوق کی صورتحال بری رہی ہے''۔انسانی حقوق کی صورتحال (2014ء کے لئے) پر سالانہ رپورٹ کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے آئی۔اے۔رحمٰن نے رپورٹ کے نتائج کے حوالے سے کہا کہ ملک میں انسانی زندگی کے تمام تر حوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کے حالات 2014ء میں بہتر نہیں تھے۔انسانی حقوق کا مسئلہ ہو یا صحافیوں کے تحفظ کا، محنت کشوں کا مسئلہ ہو یا بیروزگاری کا، نظام انصاف ہو یا قیدیوں کے حقوق کا معاملہ، جبری گمشدگی ہو یا غائب کئے گئے افراد کا مسئلہ، پولیس مقابلہ کا معاملہ ہو یا سوچ، ضمیر اور مذہبی آزادی کا، مہاجرین کا مسئلہ، تعلیم، صحت، رہائشی سہولتوں کا معاملہ ہو یا ماحولیات کا مسئلہ، کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں تھا جو بدنظمی اور عیوب کا شکار نہ رہا ہو۔ ''اگر کوئی بہتری کی صورت نظر آئی اور اگر اسے بہتری سمجھا جائے تو اور وہ ہے کہ 18ویں ترمیم کے سبب صوبے اس مرتبہ قانون سازی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے نظر آئے۔

اس کے علاوہ بلوچستان میں گمشدہ افراد کی تعداد میں کمی آئی اگرچہ یہ کمی غیر محسوس تھی، پھر بھی یہ ایک اچھی خبر تھی''۔ آئی۔اے۔رحمٰن نے بتایا۔

انسانی حقوق کی ممتاز رہنما عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ حکومت کی کارکردگی بہتر نہیں تھی۔''جب حکومت یا ریاست انسانی حقوق اور اس کے متعلق معاملات کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو پھر دوسرے ادارے اس کردار کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کے نتیجے میں اداروں کے درمیان تصادم پیدا ہو جاتا ہے''۔

مختلف موضوعات پر لکھے گئے ابواب میں جو اعداد وشمار دیئے گئے ہیں، وہ تقریباً وہی ہیں جو 2013ء کے دوران تھے۔امن وامان 2014ء کا سب سے بڑا مسئلہ رہا۔اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ 2014ء کے دوران پولیس نے جبری شادی کے لیے 1261 خواتین کے اغواء کے مقدمات درج کئے۔اس کے علاوہ پاکستان بھر میں خواتین پر تیزاب پھینکنے کے 114 مقدمے درج ہوئے۔ان مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ 159 خواتین ان حملوں کا شکار ہوئیں۔ دہشت گردی کے 1206واقعات میں 1723افراد جاں بحق اور 3143 افراد زخمی ہوئے۔ دہشت گردی کے ان واقعات میں 26 خودکش حملے تھے۔فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات میں سال بھر کے دوران 210افراد جاں بحق ہوئے۔

پیشہ ور افراد کو بھی نہیں بخشا گیا اور ابتدائی حملوں میں 12ڈاکٹر اور 13وکیل اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔اس کے علاوہ میڈیا سے تعلق رکھنے والے 14افراد بھی جاں بحق ہوئے۔جبکہ صحافیوں کو اب بھی دھمکیوں کا سامنا ہے اس کے باوجود حکومت کی طرف سے ان کے تحفظ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ملک بھر میں 2014ء کے دوران 45 پولیو ویکسی نیٹر اور ان کے تحفظ کے لیے ساتھ جانے والے دہشت گردی کا نشانہ بنے اور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

علاوہ ازیں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی اطلاعات کے مطابق 163افراد، جن میں چار خواتین اور دو معصوم بچے بھی شامل ہیں، حراست کے دوران جاں بحق ہوئے جبکہ صرف چودہ اموات کی ایف آئی آر درج کی گئی۔ سات خواتین سمیت 47افراد کو حراست کے دوران تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ سندھ میں 2014ء کے دوران 3392 پولیس مقابلے ہوئے جبکہ 2013ء میں ان کی تعداد 2616 تھی۔سندھ میں پولیس مقابلوں میں کافی اضافہ ہوا چنانچہ 2014ء کے دوران 925 مشکوک افراد پولیس مقابلوں میں مارے گئے جبکہ کراچی میں فرائض کی انجام دہی کے دوران پولیس اور رینجرز کے 160 سپاہی جاں بحق ہوئے۔خیبر پختونخوا پولیس نے مقابلوں میں 26افراد کو مار دیا جبکہ پنجاب پولیس کے ہاتھوں 276 مشکوک افراد ہلاک اور 322 گرفتار ہوئے۔ جبکہ ان پولیس مقابلوں میں پولیس کے 27 اہلکار جاں بحق ہوئے۔ 2014ء کے دوران 283 پولیس مقابلوں میں 59 مشکوک افراد اور 73 پولیس والے زخمی ہوئے۔

اقلیتوں کی صورتحال بھی اندوہناک رہی۔کراچی سمیت پورے سندھ میں مسیحی کلیساؤں اور ہندو مندروں کی بے حرمتی کی گئی۔ بلوچستان میں ذکری فرقے پر دو بڑے حملے کئے گئے۔ پاکستان بھر میں 2014ء کے دوران فرقہ وارانہ تشدد کے 147 واقعات ہوئے جن میں سے 144 واقعات فرقہ وارانہ دہشت گردی کے حملے تھے جبکہ 3 فرقہ وارانہ تصادمات تھے۔2014ء کا سب سے ہولناک واقعہ وہ ہے جس میں کوٹ رادھا کشن میں ایک مسیحی جوڑے کو ہجوم نے نہ صرف قتل کردیا تھا بلکہ جوڑے کو قتل کرنے کے بعد اینٹوں کے بھٹے میں پھینک کر ان کی لاشوں کو جلا کر خاک کردیا گیا تھا۔ اس جوڑے پر الزام تھا کہ انہوں نے قرآن پاک کی توہین کی تھی۔ سال بھر کے دوران گیارہ احمدیوں کو ہدف بنا کر قتل کیا گیا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وفاقی حکومت نے ابھی تک ایسے قوانین نہیں بنائے جن کے ذریعے مذہبی اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ ممکن ہو سکے۔اس حوالے سے خیبر پختونخوا نے صوبائی سطح پر صرف دو بل منظور کئے ہیں (یاد رہے کہ 2014ء کے دوران کے پی نے سب سے زیادہ قانون سازی کی تھی جبکہ اس کے بعد سندھ کا نمبر آتا ہے)۔

سال 2014ء: حکومتی رٹ کمزور، انسانی حقوق کی صورتحال ابتر، مذہبی شدت پسندی میں اضافہ: ہیومن رائٹس کمیشن کی سالانہ رپورٹ

گزشتہ برس 597 خواتین اور لڑکیاں اجتماعی زیادتی کا شکار ہوئیں، 828 کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، 92 خواتین اور 13 نابالغ لڑکیوں پر تیزاب پھینکا گیا

عدالتوں میں 17لاکھ 93ہزار مقدمات زیرالتوا، عدلیہ کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی گئی تو معاملات بہتری کی طرف نہیں جائیں گے، عاصمہ جہانگیر، زہرہ یوسف

روزنامہ (مشرق)

State of human rights report launched

(The News)

عسکریت پسندوں کے خلاف افواج پاکستان کی طرف سے ہونے والے آپریشن سے مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے 157 خاندانوں کو فاٹا سے نقل مکانی کرنی پڑی۔ ان میں سے چند خاندانوں نے بتایا کہ آئی ڈی پیز کیمپوں میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں 597 خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی۔ جبکہ 828 کے ساتھ انفرادی سطح پر جنسی زیادتی کی گئی۔ 36 کو ہجوم میں ننگا کر کے بے عزت کیا گیا۔ 923 خواتین اور 82 نوعمر بچیوں جن میں سے 21 گلگت بلتستان سے تعلق رکھتی تھیں، کو غیرت کے نام پر قتل کر دیا گیا۔ 92 خواتین اور 13 بچیوں پر تیزاب پھینکنے کے واقعات ہوئے جن میں سے سات خواتین جاں بحق ہوگئیں۔ سلنڈر پھٹنے، سٹوو پھٹنے اور آگ میں جلنے کے واقعات میں ساٹھ خواتین اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

جہاں تک صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور کام تک رسائی کے حوالے سے صنفی برابری کا تعلق ہے تو اس حوالے سے پاکستان دنیا کے ممالک کی صنفی برابری کی فہرست میں آخری سے ایک نمبر پہلے پر آویزاں ہے۔ 2014ء کے دوران کچھ مثبت کام بھی سامنے آئے۔ ان میں پنجاب میں 47 ہزار لیڈی ہیلتھ ورکروں کا ملازمتوں پر ریگولر ہونا بھی شامل ہے۔ پنجاب حکومت نے صوبے بھر میں 65 ڈے کیئر مراکز قائم کرنے کا اعلان بھی کیا۔ اس کے علاوہ دیہی علاقوں کی چار ہزار خواتین کے لیے تربیتی پروگرام شروع کرنے کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔

خیبر پختونخوا نے 36 خواتین پر مشتمل ایک دہشت گرد مخالف کمانڈوز سکواڈ قائم کیا۔ یہ ملک بھر کا خواتین کا پہلا اینٹی ٹیرر سکواڈ تھا جن کی تربیت مرد کمانڈوز کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ صوبے کے ہر پولیس سٹیشن پر خواتین کو سہولتیں مہیا کرنے کے لیے علیحدہ سے خواتین ڈیسک قائم کیے گئے۔ بلوچستان نے ڈومیسٹک وائلنس پروٹیکشن بل 2014ء منظور کر کے گھریلو تشدد کو ایک جرم قرار دے دیا۔ بل جون 2014ء میں منظور ہوا۔

یورپی یونین نے یکم جنوری 2014ء کو پاکستان کو جی ایس پی پلس سٹیٹس دے دیا جس کے تحت پاکستان کے لیے انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے آٹھ اہم لیبر معاہدوں سمیت 27 بین الاقوامی معاہدوں پر عملدرآمد کرنا ضروری ہے۔ 2014ء کے دوران نجکاری کمیشن نے نو اداروں کی نجکاری کے منصوبوں کا اعلان کیا جس سے ملک بھر شدید ردعمل ہوا اور مظاہرے شروع ہوگئے۔ دریں اثناء 36 پیشہ وارانہ حادثات میں 82 محنت کش جاں بحق اور 88 زخمی ہوئے۔ محنت کشوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے نہ ہونے کے برابر اقدامات کئے گئے۔ پولیو کے 306 نئے واقعات کے بعد پاکستان پولیو سے انتہائی متاثرہ ملک قرار دے دیا گیا۔ 2014ء کے دوران دنیا بھر میں پولیو کے جتنے کیس سامنے آئے ان کے 86 فیصد پاکستان میں سامنے آئے۔ پاکستان میں 2014ء کے دوران نومولود بچوں کی اموات کی شرح ہزار میں 95 رہی جو باقی ملکوں کی نسبت کم سے کم 30 زیادہ ہے۔ حمل سے متعلق شکایات کی تعداد ایک لاکھ پیدائشوں پر 276 ہے۔

ماحولیات کی صورتحال انتہائی خراب رہی۔ اگرچہ تمام صوبوں نے ماحولیاتی تحفظ کے حوالے سے قانون سازی کر رکھی ہے۔ لیکن یہ یہیں تک محدود رہی۔ موسمیاتی تبدیلی کے سبب بہت سے علاقوں میں خوراک کی کمی اور سیلابوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تھرپارکر میں خشک سالی (اور ناقص غذا) کے باعث 650 بچے جاں بحق ہوئے۔ بچوں کے ساتھ زیادتی کے متعلق ساحل کے اعداد وشمار سے جو حقیقت سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ جنوری سے ستمبر تک کے دوران بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے 311 معاملات سامنے آئے ان میں 214 لڑکیاں اور 97 لڑکے تھے۔ زیر تبصرہ سال کے دوران 120 بچوں کو جسمانی تشدد برداشت کرنا پڑا۔ سندھ چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی ایکٹ 2011ء پر عملدرآمد بھی ہونا باقی ہے حالانکہ اس قانون کو بنے تین برس گزر چکے ہیں۔ ایسے اور بہت سے اعداد وشمار رپورٹ میں موجود ہیں جو ہماری بہت سی خامیوں اور غلطیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بڑھ گئیں، ''دھرنا سیاست'' سے فرقہ وارانہ قوتیں مضبوط ہوئیں: ہیومن رائٹس کمیشن

1206 دہشت گرد حملوں میں 1723 ہلاکتیں، فرقہ وارانہ تشدد سے 210 جانیں گئیں، 597 خواتین اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنیں

ٹارگٹ حملوں میں 12 ڈاکٹر، 13 وکلاء، 14 صحافی جاں بحق ہوئے، پاکستان دنیا کا خطرناک ترین ملک بن گیا، سالانہ رپورٹ

روزنامہ (ایکسپریس)

انسانی حقوق کی بدترین صورتحال

ڈاکٹر توصیف احمد خان

2014 انسانی حقوق کے تناظر میں بدترین سال ثابت ہوا۔ کوٹ رادھا کشن میں ایک عیسائی جوڑے کو زندہ جلا دیا گیا۔ ملتان میں انسانی حقوق کے کارکن راشد رحمٰن ایڈووکیٹ کا قتل اور قاتلوں کا آزاد پھرنا سال کے بدترین واقعات تھے۔ انسانی حقوق کی پاسداری کرنے والی غیر سرکاری تنظیم Human Rights (N.G.O) Commission of Pakistan کی سالانہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صحافیوں اور مزدوروں کے تحفظ، بے روزگاری، عدالتی نظام، قیدیوں کے حقوق، لاپتہ افراد کے مسائل، پولیس مقابلوں، عقیدے کی آزادی، پناہ گزینوں کے حالات، صحت اور تعلیم کی سہولتوں کے اعتبار سے گزشتہ سال، گزرے 65 برسوں کی طرح تھا۔ سینئر صحافی اور HRCP کے سیکریٹری جنرل آئی اے رحمٰن نے انسانی حقوق کے بارے میں سالانہ رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سال کی ایک مثبت بات یہ تھی کہ صوبوں نے آئین میں کی گئی 18ویں ترمیم سے استفادہ کرتے ہوئے اہم موضوعات پر قانون سازی کی۔ انسانی حقوق کی ایک اور سرگرم کارکن عاصمہ جہانگیر کا کہنا ہے کہ حکومت کی کارکردگی مایوس کن ہے۔

انھوں نے اس موقعے پر ایک اہم نکتہ اٹھایا کہ جب حکومت اور ریاست کے ادارے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تو پھر دیگر تنظیمیں اور ادارے اس خلاء کو پر کریں گی۔ انسانی حقوق کمیشن کی رپورٹ کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ بلوچستان میں لاپتہ افراد کی تعداد میں کمی ہوئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک میں مجموعی طور پر امن وامان کی صورتحال خراب رہی۔ سندھ پولیس نے گزشتہ سال عورتوں کے اغواء کے 1261 مقدمات درج کیے۔ یہ مقدمات زبردستی شادی سے متعلق تھے۔

اسی طرح ملک بھر میں عورتوں پر تیزاب پھینکنے کی وارداتوں میں سے 114 کے مقدمات تھانوں میں درج ہوئے۔ اسی طرح دہشت گردی کے 1206 واقعات

میں 1723 افراد جاں بحق اور 3 ہزار سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ اسی طرح خود کش حملوں کی 26 وارداتیں ہوئیں۔ رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ٹارگٹ کلنگ کے واقعات بڑھ گئے۔ ان واقعات میں 210 افراد جاں بحق ہوئے۔ گزشتہ سال 12 ڈاکٹر، 13 وکلاء اور 14 صحافیوں کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔

اسی طرح ملک کے مختلف علاقوں میں صحافیوں کو دھمکیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ گزشتہ سال بھی پولیو کے قطرے پلانے کی مہم میں شریک پیرامیڈیکل عملہ گولیوں کا نشانہ بنا۔ یوں 42 پولیو ورکرز شہید کر دیئے گئے۔ HRCP کے کارکنوں نے حراست کے دوران ہلاک ہونے والے افراد کے اعداد وشمار جمع کیے۔ ان افراد کی تعداد 63 ہے۔ اس ضمن میں خطرناک بات یہ ہے کہ حراست میں ہلاک ہونے والوں میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک بھر کی پولیس، مقابلوں میں ملزموں کو ہلاک کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔

صوبہ سندھ میں 3392 پولیس مقابلے ریکارڈ پر آئے جب کہ 2013ء میں یہ تعداد 2616 تھی۔ کراچی میں پولیس اور رینجرز کے 62 اہلکار اپنے فرائض کی انجام دہی میں شہید ہوئے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک میں اقلیتیں شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ سندھ میں بشمول کراچی ہندوؤں اور عیسائیوں کے 11 چرچ اور مندروں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ بلوچستان میں ذکریوں کی دو عبادت گاہوں کو جلا دیا گیا۔ گزشتہ سال 11 احمدیوں کو قتل کیا گیا۔

آئی اے رحمٰن صاحب کا کہنا ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں اقلیتوں کو تحفظ دینے میں ناکام رہی ہیں۔ صرف خیبر پختون خوا میں اقلیتوں کے تحفظ کے لیے دو قانون منظور کیے گئے۔ فاٹا میں آپریشن ضربِ عضب سے متاثرہ افراد پناہ لینے کے لیے خیبر پختون خوا آئے۔ ان میں سے 57 خاندانوں کا تعلق اقلیتی فرقے سے تھا۔ بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں ان اقلیتی خاندانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک بھر میں خواتین پر مجرمانہ حملوں کے 597 واقعات ہوئے جب کہ 36 خواتین کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارے گئے اور تذلیل کی گئی، یوں 923 عورتیں اور 82 بچیاں غیرت کے نام پر قتل ہوئیں۔

اس رپورٹ میں Global Gender Gap Report, 2014 کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ پاکستان کا نام صنفی برابری کے انڈکس میں آخری نمبر سے ایک نمبر پہلے پر آویزاں ہے۔ اس رپورٹ میں 4 لاکھ لیڈی ہیلتھ ورکرز کی ملازمتوں کو مستقل کرنے کے فیصلے کو مثبت قرار دیا گیا۔

انسانی حقوق کمیشن پاکستان کی سالانہ رپورٹ

منو بھائی

انسانی حقوق کے کمیشن برائے پاکستان کی سال 2014ء کی رپورٹ ملک کی مذہبی اقلیتوں پر حملوں کی خبروں سے شروع ہو کر پشاور آرمی پبلک سکول کے بچوں اور تدریسی عملے کے ابتدائی دردناک قتل عام کے سانحہ پر آنسو بہانے کے سانحہ تک چلے جانے والے لہولہان سال کے اندر جھانکنے کی ایک کوشش ہے۔

1,723 Pakistanis lost their lives in terrorist attacks in 2014 (Daily time)

رپورٹ میں بجا طور پر بتایا گیا ہے کہ پشاور کا سانحہ قومی تاریخ میں دہشت گردی کا سب سے زیادہ ظالمانہ اور انتہائی بزدلانہ واقعہ ہے جس نے پورے ملک بلکہ دنیا کے بیشتر انسانوں کے دل و دماغ میں دہشت گردوں کے خلاف نفرت اور حقارت کو نئی انتہاؤں تک لے جانے کا کردار بھی ادا کیا تھا جو کہ دہشت گردی کے رجحان کی خودکشی کی کامیاب کوشش بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا سانحہ کے ردعمل میں پاکستان میں قومی سطح پر اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہوئی اور سول وفوجی حکمرانوں نے دہشت گردی کے خلاف یگانگت اور ہم آہنگی کے فیصلے کئے اور دہشت گردوں کے علاوہ ان کے حامیوں اور مددگاروں کے بھی مکمل خاتمے کے عملی منصوبے تیار کئے۔ ان پر عملدرآمد کا آغاز بھی ہوا۔

کمیشن کی رپورٹ میں اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے کہ گزشتہ سال کے دوران خواتین کے عملی سیاست میں موثر کردار میں اضافے کی توقعات پیدا ہوئیں۔ کم عمری کی شادی کی ممانعت کا قانون منظور کیا گیا اور شادی کے لیے کم از کم عمر میں اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان پارلیمنٹ نے اس سال کے دوران دس قوانین منظور کئے جو کہ اس سے پچھلے سال منظور ہونے والے بائیس قوانین کے آدھے سے بھی کم ہیں۔ اس دوران نو صدارتی آرڈیننس جاری کئے گئے۔ سب سے زیادہ صوبائی آرڈیننس کے پی کے صوبے نے جاری کئے اس کے بعد سندھ، پنجاب اور بلوچستان کا نمبر آتا ہے۔

سال 2011ء میں ٹیبل کئے گئے ہندو شادی بل اور کرسچین طلاق کا بل اس سال بھی قانون سازوں کی توجہ سے محروم رہے اور گھریلو تشدد کے خلاف قانون سازی میں بھی کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ سال 2014ء میں ملک کی عدالتوں میں تقریباً بیس لاکھ کے قریب مقدمات فیصلہ طلب حالت میں پڑے ہیں۔ قانون سازی اور قانون نوازی یعنی قانون کی حکمرانی کے درمیان کا بھیانک خلا جو وقت کے ساتھ ساتھ کم ہونے کی بجائے بڑھتا جارہا ہے ملک میں جرائم کے اضافے کا باعث بن رہا ہے، خاص طور پر مذہبی اقلیتوں اور کمزور، غریب اور بے سہارا طبقوں کی حالت زار بہتر ہونے کی بجائے مزید خراب ہو رہی ہے اور اس جانب بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔

یہ ایک اچھی اور قومی حوصلے بڑھانے والی بات ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں پاکستان کی خواتین کے عملی سیاست کے میدان میں داخل ہونے کے امکانات پہلے سے زیادہ روشن ہو گئے ہیں، مگر اس رجحان کو پیچھے پلٹ جانے کی بجائے آگے بڑھنا چاہئے اور خواتین پر مشتمل ملک کی آدھی آبادی کو سیاست میں اپنے عمل دخل کو بڑھانا چاہئے۔ اسی طریقے سے خواتین کے قوم کو متاثر کرنے والے حکومتی فیصلوں کو بہتر اور اجتماعی مفاد کے مطابق بنانے کا موقع ملے گا۔

مولانا محمد علی جوہر کی اماں بی، قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بینظیر بھٹو ہمارے سیاسی سفر کے انتہائی خوشگوار اور اچھے ساتھیوں میں شمار ہونے والی خواتین ہیں اور ایسی بے شمار اور لاتعداد خواتین معاشرے کے اندر موجود ہیں اور اپنے معمول کے کاموں اور فرائض سے بہتر قومی ترقی کے کاموں اور بہتر مستقبل کے منصوبوں میں فرائض ادا کر سکتی ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے وجود میں آنے اور پھر تحریک انصاف کے سرگرم ہونے سے پاکستان کے درمیانے اور نچلے طبقے کی خواتین نے عملی سیاست میں داخل ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مظاہرے کو آگے بڑھنا چاہئے اور سیاست میں دلچسپی لینے والی خواتین کو اپنے جیسی دیگر خواتین کو بھی سیاسی میدان میں اترنے کا حوصلہ فراہم کرنا چاہئے۔ یہ ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ہوگا۔ انشاء اللہ

(بشکریہ: روزنامہ جنگ)

رپورٹ میں کہا گیا کہ حکومت قومی صنعتی اداروں کو نجی شعبے کے حوالے کرنا چاہتی ہے مگر لاکھوں مزدور اس فیصلے کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیم کی یہ سالانہ رپورٹ ریاستی اداروں کی نااہلی، بدعنوانی، عام آدمی کو ترجیح نہ دینے اور معاشرے میں عدم برداشت کی نشاندہی کرتی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک بھر میں امن و امان کی صورتحال خراب تر ہے۔ امن و امان کا معاملہ، انتہا پسندی، پولیس اور عدالتی نظام کی بے حسی اور حکومتی ترجیحات میں عام آدمی کی اہمیت نہ ہونے کو شامل کرنا ہے۔ انتہا پسندی کا معاملہ ریاست کی بنیادی پالیسی سے منسلک ہے۔

پہلے مذہبی انتہا پسند تنظیموں کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جنوری 2014 سے دسمبر 2014 تک نہ صرف اقلیتوں اور انتہا پسندانہ نظریات کے خلاف مزاحمت کرنے والے بہادر افراد کو نشانہ بنایا گیا بلکہ خودکش حملوں اور ٹارگٹ کلنگ نے مجموعی طور پر امن و امان کی صورتحال کو متاثر کیا۔ پھر اسلحے کی سپلائی نہ روکنے، پولیس اور انٹیلی جنس نیٹ ورک کے متحرک نہ ہونے اور وکلاء اور ججوں کے عدم تحفظ کی بناء پر صورتحال خراب ہوتی چلی گئی۔

اسی طرح اقلیتی فرقوں کے ساتھ ناروا سلوک جاری رہا۔ HRCP کی اس رپورٹ میں پولیس مقابلوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، سرکاری ایجنسیوں کی حراست میں قتل ہونے والے افراد کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ حراست میں قتل ہونے والوں میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش میں پولیس مقابلوں کی ریت بہت پرانی ہے۔

پولیس حکام اور بہت سے لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ خطرناک ملزمان انتہائی بااثر ہوتے ہیں۔ انھیں نہ جیلوں میں بند رکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی عدالتوں کے ذریعے سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ معاشرے کو ان ملزمان سے نجات دلانے کے لیے ان کا ماورائے عدالت قتل ہی مسئلے کا حل ہے۔ بھارتی فلموں میں یہ طریقہ کار خاصا مشہور ہے، اگر قتل کے فیصلے کا اختیار چند پولیس والوں کو دے دیا جائے تو اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ صرف مجرموں کو ہی سزائیں دی جا رہی ہیں اور کوئی مظلوم ماورائے عدالت قتل کا شکار نہیں ہوا؟ پاکستان کی پولیس کے نظام کی بنیاد بدعنوانی اور سفارش پر ہے۔

عمومی طور پر وہ افراد ہی سزا پاتے ہیں جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یا بروقت سفارش کا بندوبست نہیں کر پاتے۔

*پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے **17** اپریل کو ایک پریس کانفرنس میں "**2014**ء میں انسانی حقوق کی صورتحال" کے عنوان سے جو رپورٹ جاری کی، اس کے حوالے سے بہت سے اخبارات نے شذرے تحریر کئے۔ ان میں سے ایک قومی اخبار "دی نیشن" کے اداریے جو **19** اپریل کے شمارے میں شائع ہوا، کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے:۔*

اندوہناک صورتِ حال

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے 2014ء میں انسانی حقوق کی صورتحال کے حوالے سے اپنی سالانہ رپورٹ جاری کردی ہے جو تصدیق کرتی ہے کہ پاکستان میں حالات ہمیشہ کی طرح پریشان کن ہیں۔ یہ رپورٹ انسانی حقوق، لیبر اور بیروزگاری، نظام انصاف، صحافیوں کے تحفظ، قیدیوں کے حقوق، جبری گمشدہ افراد، ہمہ گیر آزادیوں جن کی ضمانت آئین میں دی گئی ہے، تعلیم، صحت اور رہائش کے علاوہ ملک کی امن و امان کی صورتحال جیسے وسیع موضوعات کا احاطہ کرتی نظر آتی ہے۔

رپورٹ میں شاید سب سے زیادہ رنجیدہ کردینے والی حقیقت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ تشدد میں انتہائی ناگفتہ بہ اضافہ ہوا ہے۔ ملک میں فرقہ وارانہ تشدد کے 147 سے کم واقعات کسی طرح نہیں ہوئے اور ان میں دہشت گردی کے 144 حملے اور تین فرقہ وارانہ تصادمات شامل ہیں۔ بدقسمتی سے پارلیمنٹ کو ابھی وقت ہی نہیں مل سکا کہ وہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا تو درکنار، اس پر بات ہی کرسکے۔ ایسے لوگوں سے کچھ کرنے کی توقع عبث ہے جو اس انتہائی اہم قومی معاملے پر گفتگو کرنے کے لیے ایک جگہ اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ چونکہ اقلیتیں لینے والے ہاتھ کے طور پر ناگوار ہدف ہیں اس لیے وفاقی حکومت نے ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی ایک بھی قانون نہیں بنایا۔

تمام جیلوں میں امن و امان کی صورتحال عمومی طور پر بہت ہی غیر اطمینان بخش ہے۔ قتل و غارتگری، اغواء کے واقعات، عصمت دری کے واقعات، عزت کے نام پر ہونے والے قتل، پولیس مقابلے جیسے واقعات میں تیز رفتار اضافہ یقینی طور پر باعث تشویش ہے۔ ایسے قابل ذکر مشاہدات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے جو کسی ممکنہ بہتری کی طرف اشارہ کرتے ہوں۔ اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ وفاقی اور تمام صوبائی حکومتیں اپنے دعوؤں کا بھرم رکھنے میں ناکام رہی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ خیبر پختونخوا، پنجاب اور سندھ کی حکومتوں نے صنفی عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے اقدامات تو کئے ہیں لیکن ان کی نیم دلانہ کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس مسئلے کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ بلوچستان بھی ان عمومی مسائل کا بری طرح شکار ہے جن کا سامنا دوسرے صوبوں کو ہے۔ بلوچستان کے گمشدہ افراد گمشدہ ہی ہیں۔ ایسے حالات میں کیسے یقین کرلیا جائے کہ 2015ء کا سال گزشتہ برسوں کی نسبت بہتر ہوگا۔ لگتا ہے کہ عدالتیں بھی ہار مان کر دستبردار ہوگئی ہیں۔ حکومت یہ سیکھ چکی ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ اس لیے وہ بھی اس مسئلہ کو چھیڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

صحت اور تعلیم کے بارے میں دیئے گئے اعداد و شمار بھی کافی حوصلہ شکن ہیں۔ ہسپتالوں کی تکلیف دہ صورتحال، صحت اور تعلیم کی سہولتوں تک محدود رسائی، پولیو، بچوں کی اموات کی شرح۔ ان تمام معاملات میں ریاست کی ناکامی واضح ہورہی ہے۔ اداروں، انفراسٹرکچر اور خواہش کی عدم موجودگی کے باعث ریاست اپنے شہریوں کو زندگی کی سہولتیں مہیا کرنے میں ناکام ہی رہے گی۔

کراچی میں امن و امان کی رپورٹنگ کرنے والے صحافی شکیل سلاوٹ کہتے ہیں کہ پولیس اور دیگر ایجنسیوں میں ملزمان کی خرید و فروخت کا ایک سلسلہ موجود ہے۔ ماورائے عدالت قتل انصاف کو قتل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

سرکاری ایجنسیوں کی تحویل میں ہلاکتوں، خاص طور پر خواتین اور بچوں کی اموات ریاست کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

یہ رپورٹ گزشتہ برس دسمبر میں دہشت گردی کے واقعات کے بعد نیشنل ایکشن پلان سے پہلے کی ہے، امید کی جاسکتی ہے کہ اس سال انسانی حقوق کی صورتحال بہتر ہوگی۔ مگر عاصمہ جہانگیر کی یہ بات ہی سب سے زیادہ اہم ہے کہ جب ریاستی ادارے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تو دیگر ادارے ان کی جگہ لے لیں گے اور نئے تضادات ابھریں گے۔ اس صورتحال کے تدارک کے لیے ریاستی اداروں کی کارکردگی بہتر بنانا ضروری ہے۔ اس رپورٹ پر پارلیمنٹ میں بحث ہونی چاہیے۔

بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

ظفر اقبال

پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن والوں نے ایک رپورٹ میں سول معاملات میں اسٹیبلشمنٹ کی روزافزوں دخل اندازی اور کئی شعبوں میں اس کی واضح بالادستی پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور جو میرے خیال میں بالکل بجا ہے؛ تاہم زمینی حقائق کا بہ نظرِ عمیق جائزہ لیا جائے تو اس عمل سے بہت سی قباحتیں پیدا ہونے کے باوجود اس کا پورا پورا جواز موجود ہے۔ مثلاً یہ کہ انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے آئین اور قانون کی حکمرانی اور پاسداری لازم وملزم ہیں، لیکن کوئی سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ حکومتی سطح پر اس کا ذرہ بھر بھی لحاظ رکھا جارہا ہے؟ بلدیاتی انتخابات سمیت لاتعداد ایسے موضوعات ومسائل ہیں جن کے حوالے سے سپریم کورٹ کے احکامات کی صریح خلاف ورزی کی جارہی ہے اور تعلیم وصحت جیسے بنیادی عوامی مسائل سے صرفِ نظر کرکے سارے فنڈز میگا پراجیکٹس میں جھونکے جارہے ہیں جو اپنی جگہ ظلم کی انتہا ہے، حتیٰ کہ اس ضمن میں ایک ہزار ایک مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ سول حکام بنیادی طور پر حریص اور نااہل ہیں اور وہ اس کا ناقابل تردید ثبوت بھی فراہم کرتے چلے آرہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ کوئی ملک کو چلانے والا ہی نہیں اور جوں توں کرکے یہ اپنے آپ ہی چل رہا ہے۔

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے ہاں حکومتیں کس طرح نام نہاد مینڈیٹ حاصل کرتی ہیں اور کس کس طرح زراندوزی میں جُت جاتی ہیں، جسے اقتدار حاصل کرنے کا مقصد اولیٰ کہا جاسکتا ہے جبکہ اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی میں ان چند خاندانوں کا بنیادی کردار ہے جو اس صریحاً ناقص سسٹم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے باری باری اقتدار پر قابض اور عوام کا خون چوسنے پر لگ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اتنی حکومتوں کی آمدورفت کے باوجود اگر عوام کی حالت نہیں بدلی بلکہ خراب سے خراب تر ہوتی چلی جارہی ہے اور غربت کی لکیر سے نیچے جانوروں بلکہ کیڑوں مکوڑوں کی زندگی بسر کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے تو بنیادی انسانی حقوق کے علمبردار ہمارے دوستوں کو سب سے زیادہ تشویش اس بات پر ہونی چاہئے۔ پاکستان ایک عرصے سے دو حصوں میں تقسیم ہے یعنی غریبوں کا پاکستان اور امیروں کا پاکستان اور یہ تقسیم روز بروز واضح تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

حکومت کے خلاف آئے روز بھاری مالیت کے سکینڈل منظر عام پر آتے ہیں اور جس قدر ڈھٹائی کے ساتھ انہیں یکسر نظرانداز کیا جاتا ہے اس پر دیکھنے والوں کو شرم آتی ہے مگر حکومت کو نہیں، جن میں تازہ ترین ایک بینک کی نجکاری کا ہے جس میں اس کے حصص سستے بیچ کر کھربوں روپے کا گھپلا کیا جارہا ہے لیکن اس پر تمام تر شور شرابے کے باوجود وزیرخزانہ صاحب کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی جبکہ یہ دن دہاڑے ڈکیتی کی ایسی واردات ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے کی جارہی ہے اور حکومتی سطح پر ایک پتہ تک نہیں ہل رہا!

اب آتے ہیں اسٹیبلشمنٹ کی "دراز دستیوں" کی طرف جن پر ہماری اس معزز تنظیم نے بجاطور پر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اس سلسلے میں پہلی عرض تو یہ ہے کہ وزارت دفاع کا پورا پورا کام کافی عرصے سے سول حکومت کے ہاتھ سے نکل کر عسکری قیادت کو زیب دے رہا ہے کیونکہ سول والوں کا ہاتھ اس کی اہلیت کے حوالے سے خاصا تنگ ہے۔ خواجہ آصف صاحب برائے نام وزیر دفاع کے طور پر تو ضرور موجود ہیں لیکن وہ خود بھی اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ یہ ان پر سراسر الزام ہے۔ اب تفصیل میں جائے بغیر، جہاں تک اس تبدیلی کے نتیجہ خیز ہونے کا تعلق ہے تو آرمی چیف کے دو ٹوک موقف کی بدولت بھارت سمیت دیگر کئی ممالک اپنے کپڑوں میں ہی رہنے پر مجبور ہیں۔ علاوہ ازیں حالیہ یمن بحران میں صاحب موصوف کا ان مذاکرات اور اہم دوروں میں ان کی شمولیت بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس محکمے پر کتنی توجہ دے رہے ہیں۔

جہاں تک محکمہ خارجہ کا تعلق ہے تو یہاں بھی سرتاج عزیز اور فاطمی صاحب جیسے بزرگوں کو خانہ پُری کے لیے رکھا گیا ہے۔ اس وزارت کا قلمدان وزیراعظم نے خود سنبھال رکھا ہے جبکہ سارا متعلقہ کام عسکری قیادت بروئے کار لا رہی ہے، خواہ وہ افغانستان کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہو یا امریکہ اور بھارت کے ساتھ روابط کا مشکل مرحلہ۔ چنانچہ اس کے نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔ موصوف نے بڑھ چڑھ کر بیرون ملک کے دورے کئے ہیں اور کئی الجھے ہوئے مسائل کی گتھی حل کی ہے اور خارجہ امور پر ہمیں اس پسپائی اور تنہائی کا احساس نہیں ہوتا جس میں ہم ایک عرصے سے گوڈے گوڈے دھنسے ہوئے تھے۔ حکومت اپنے ناتواں کندھوں سے سارا بوجھ اتار کر اپنے معمول کے مشغلوں میں مصروف ہے اور دونوں ہاتھوں سے وہی کچھ کرنے میں مگن ہے جس کی یہ خصوصی شہرت رکھتی ہے۔ اس لیے بنیادی انسانی حقوق کمیشن کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

(بشکریہ روزنامہ دنیا)

حکومتی رٹ بارے ہیومن رائٹس کمیشن کی رپورٹ

(روزنامہ مشرق کا اداریہ)

ہیومن رائٹس کمیشن کی سالانہ رپورٹ برائے سال 2014ء میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں حکومتی رٹ انتہائی کمزور ہوچکی ہے۔ انسانی حقوق کی صورتحال ابتر جبکہ مذہبی شدت پسندی میں اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ برس 297 خواتین اور لڑکیاں اجتماعی زیادتی کا شکار ہوئیں۔ 828 خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا جبکہ 93 خواتین اور 13 نابالغ لڑکیوں پر تیزاب پھینکا گیا۔ اگر قانون کی بالادستی پر نظر ڈالیں تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ عدالتوں میں 17 لاکھ مقدمات زیرالتواء ہیں۔ اسی رپورٹ کے حوالے سے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے ہیومن رائٹس کمیشن کے رہنما آئی۔اے۔ رحمٰن کا کہنا تھا کہ گزشتہ برس ملک میں انسانی حقوق کی پامالی میں اضافہ ہوا۔ سویلین رٹ کمزور ہوئی جبکہ ملکی معاملات میں سکیورٹی فورسز کا عمل دخل بڑھ گیا۔ مزید برآں تحفظ پاکستان ایکٹ سے بھی شہریوں کے حقوق متاثر ہوئے اور قبائلی علاقوں میں جاری آپریشن کے حوالے سے بھی سرکاری طور پر فراہم کی جانے والی خبروں کی تصدیق یا تردید کے لیے آزادانہ اطلاعات نہ مل سکیں۔ اگر مذکورہ بالا رپورٹ کے تناظر میں بات کی جائے تو اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ حکومت کی توجہ انسانی حقوق کے تحفظ کے بجائے اپنے اختیارات میں اضافہ پر مرکوز رہی۔ اسی حوالے سے کمیشن کی سابق چیئرپرسن عاصمہ جہانگیر کا کہنا ہے کہ حکومت ہر سطح پر اپنی سپیس چھوڑ رہی ہے۔ حتیٰ کہ اتنے بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود حکومت لوڈشیڈنگ کے خاتمے میں ناکام ہورہی ہے۔ جس سے معاشی بلکہ سماجی مسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے جبکہ حکمران عوام کی سیاست کرنے کی بجائے اقتدار کی سیاست کررہے ہیں اگر موجودہ حکومت کی طرف سے پریس کی آزادی کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی نام نہاد آزادی ہے۔ حتیٰ کہ سول سوسائٹی کو بھی خفیہ اداروں کی طرف سے معلومات کے حصول کے نام پر ہراساں کیا جارہا ہے۔ حکومت سوشل میڈیا فیس بک اور ٹوئیٹر کے حوالے سے نیا ضابطہ اخلاق لانے کی کوشش کررہی ہے جس کے بارے میں امکان غالب ہے کہ حکومت ایوان بالا یا ایوان زیریں سے حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے گی۔ یہ اقدام بھی دراصل سنسرشپ کی ابتداء ہے اگر حکومت نے محسوس کیا کہ عوام نے اس پر زیادہ احتجاج نہیں کیا تو وہ آنے والے دنوں میں ایسا قانون ریڈیو اور ٹی وی کے لیے بھی لاسکتی ہے۔ سو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت ہر محاذ پر ناکام دکھائی دے رہی ہے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے ممالک جن کی آبادی دس لاکھ سے بھی کم ہے وہاں بھی وزیر خارجہ ہے۔ مگر ہمارے ہاں وزارت خارجہ کے امور وزیراعظم خود انجام دیتے ہیں یا وزیراعلیٰ پنجاب کو وزیر خارجہ کی نمائندگی کے لیے بیرونی ممالک بھجوا دیا جاتا ہے۔ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کا سیکرٹری خارجہ سرتاج عزیز کے ساتھ سعودی عرب کا حالیہ دورہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ گورنر پنجاب کو استعفیٰ دیئے کئی ہفتے گزر چکے ہیں مگر ابھی تک نئے گورنر کی تقرری نہیں ہوسکی حالانکہ عدالت عظمیٰ حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کروا چکی ہے۔ جیسا کہ ہیومن رائٹس کمیشن کی سالانہ رپورٹ میں بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ حکومت کی رٹ مکمل طور پر کہیں بھی نظر نہیں آرہی اور صرف ڈنگ ٹپاؤ پالیسیوں پر انحصار کیا جارہا ہے۔ خاص طور پر ملک میں جس تیزی سے جرائم بڑھ رہے ہیں، پولیس کو بے پناہ پیشہ وارانہ سہولتیں فراہم کرنے کے باوجود ان جرائم میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ ایک طرف حکومت اپنے ہاتھ میں اٹھارہ کروڑ عوام کا بھاری مینڈیٹ ہونے کی دعویدار ہے جبکہ دوسری طرف ہر حکومتی فیصلہ اور اقدام عوامی مینڈیٹ کو نظر انداز کرکے ذاتی پسند اور ناپسند کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں مثلاً جب پاکستان کی پارلیمنٹ سعودی عرب کے معاملے میں ایک فیصلہ دے چکی ہے تو پھر اس ضمن میں مزید بیانات دینے یا پالیسیاں وضع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(بشکریہ روزنامہ مشرق، لاہور)

دہشت گردی اور تشدد کے باعث ذہنی صحت کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے

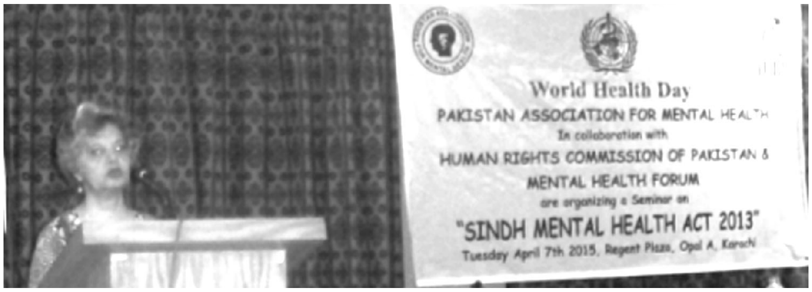

کراچی پاکستان ایسوسی ایشن فار مینٹل ہیلتھ (پی اے ایم ایچ) نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اور مینٹل ہیلتھ فورم کے تعاون سے کراچی کے ایک مقامی ہوٹل میں ایک سیمینار منعقد کیا جس میں ملک میں ذہنی صحت کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ سیمینار کا انعقاد 7 اپریل کو 'عالمی یوم صحت' کے موقع پر کیا گیا تھا۔ سیمینار کے شرکاء کا کہنا تھا کہ پاکستان میں ذہنی صحت کے معاملے کو مسلسل نظرانداز کیا جا رہا ہے جو کہ انتہائی افسوسناک امر ہے۔ صحت کا بجٹ پہلے ہی بہت زیادہ کم تھا اور اس کم بجٹ میں سے بھی ذہنی صحت کے لیے صرف دو فیصد رقم مختص کی گئی۔ تقریب کے منتظمین اور شرکاء نے سندھ مینٹل ہیلتھ ایکٹ 2013ء'' کو خوش آئند اقدام قرار دیا۔ تقریب میں شریک شعبہ صحت کے ماہرین کا کہنا تھا کہ شعبہ صحت کو درپیش مسائل میں سے ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ بنیادی طبی صحت پر توجہ نہیں دی جا رہی جس کے باعث لوگ دن بدن ذہنی دباؤ اور تشویش کا شکار ہو رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ معذوری، بیماری، بڑھتی ہوئی شرح اموات اور شعبہ صحت کے اخراجات میں اضافہ کی صورت میں نکلتا ہے۔ سیمینار کے شرکاء کو بتایا گیا کہ ملک میں 500000 افراد کے لیے ایک ماہر نفسیات 1,250000 افراد کے لیے ایک نرس جبکہ 40,000 سے زائد افراد کے لیے ایک ہسپتال میں دستیاب ہے۔ مقررین کا کہنا تھا کہ صحت کے لیے 2.4 فیصد بجٹ مختص کیا گیا تھا جس میں سے ذہنی صحت کے لیے صرف دو فیصد مختص کیا گیا۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی چیئر پرسن زہرا یوسف نے کہا کہ پاکستان میں صحت کا بجٹ افسوسناک حد تک کم ہے تاہم ذہنی صحت کے لیے انتہائی کم وسائل مختص کیئے جاتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ذہنی صحت کا مسئلہ ہمارے ملک میں انسانی حقوق کا بنیادی مسئلہ بن چکا ہے جہاں دہشت گردی اور کشیدگی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ ''سندھ مینٹل ہیلتھ ایکٹ'' کی منظوری کے بعد معاشرے کے تمام باشعور حلقوں کا فرض ہے کہ وہ اس ایکٹ کے عملی نفاذ کے لیے تگ و دو کریں۔ انہوں نے ماہرین نفسیات پر زور دیا کہ وہ پاکستان میں جاری کشیدگی کی صورتحال پر توجہ دیں جس نے تشدد، بم دھماکوں اور مسلح کارروائیوں کی بدولت پورے معاشرے کو ذہنی صدمے سے دوچار کر رکھا ہے۔

انہوں نے ملک بھر میں ذہنی صدمے کے علاج ومعالج کے مراکز قائم کرنے اور متعلقہ محکمہ تشکیل دینے کے حکومتی اقدام کی تعریف کی۔ مذکورہ مراکز اور محکمے کے قیام کا مقصد پاکستان میں بدامنی کے باعث جنم لینے والے ذہنی امراض سے نبٹنا ہے۔ محترمہ زہرا یوسف اور ماہر نفسیات پروفیسر ایس۔ ہارون نے ذہنی مریضوں اور جیلوں میں بند مخبوط الحواس افراد کے حقوق کو اجاگر کیا۔

محترمہ زہرا یوسف نے کہا کہ ایچ آر سی پی کے قیام کا مقصد ان افراد کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا تھا جو خود اپنے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ ریٹائرڈ جسٹس غوث محمد نے 'سندھ مینٹل ہیلتھ ایکٹ' کے قواعد وضوابط طے کرنے کے حوالے سے اپنی کوششوں کا ذکر کیا۔ پروفیسر اقبال آفریدی نے کہا کہ ڈاکٹرں، وکلاء اور عام عوام کو اس نئے قانون سے متعارف کروانے کے لیے تعلیمی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ ذہنی صحت کے ایک منصوبے کی باگ دوڑ سنبھالنے والی ڈاکٹر سعدیہ چوہدری نے کہا کہ وہ ذہنی مریضوں کے حقوق کے فروغ کو اپنے منصوبے کا لازمی جز بنائیں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان اشاعت، 18 اپریل 2015)

سندھ میں توہین مذہب کے ملزم کا ذہنی معائنہ لازم قرار

کراچی سندھ اسمبلی نے ذہنی صحت کے سندھ ایکٹ 2013ء میں ایک ترمیم کے ذریعے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے خودکشی کی کوشش کی ہو یا اس پر توہین مذہب کا الزام عائد کیا گیا ہو، اس کی ماہرِ نفسیات کے ذریعے جانچ پڑتال کی جائے گی، اور اگر وہ کسی ذہنی بیماری کا شکار پایا گیا تو اس کا علاج کیا جائے گا۔ یہ قانون سازی چھ حکومتی بلوں میں سے پانچواں حصہ تھی، جسے ایوان کی جانب سے منظوری دی گئی۔ کل یہ اجلاس دو روزہ وقفے کے بعد دوبارہ شروع ہوا تھا۔ سندھ کے پارلیمانی امور کے وزیر ڈاکٹر سکندر مندھرو نے یہ بل پیش کیا۔ انہوں نے سندھ کے ذہنی صحت کے ترمیمی بل 2015ء کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ ترمیم ایک ایسے شخص کو جس نے اقدامِ خودکشی کیا ہو یا پھر توہین مذہب کے ملزم کو تحفظ فراہم کرے گی۔ صوبائی وزیر نے کہا کہ یہ بل فقط نفسیات دان کے تجزیے کو لازم بنائے گا، اور اگر ملزم ذہنی بیماری میں مبتلا پایا جائے تو اس کی سزا میں کمی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ عدالت کرے گی۔ ایک اور قانون سازی سندھ سول سرونٹ کا ترمیمی بل 2015ء منظور کر کے کی گئی، جو حکومتِ سندھ کو تقرری کے مختلف طریقوں بشمول تبادلے، یا تحلیل، ڈیپوٹیشن اور ذیلی معاملات کو تحفظ فراہم کرے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

فائرنگ سے ہزارہ قبیلے کے دو افراد ہلاک

کوئٹہ 27 اپریل کو کوئٹہ میں فائرنگ کے ایک واقعے میں دو افراد ہلاک اور ایک زخمی ہوگیا۔ حکام کا کہنا ہے کہ ہلاک ہونے والے دونوں افراد کا تعلق ہزارہ برادری ہے۔ فائرنگ کا واقعہ پیر کو سیٹلائیٹ ٹاؤن کے علاقے میں پیش آیا۔ سیٹلائیٹ ٹاؤن پولیس سٹیشن کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے تین افراد بس کے ذریعے ایران سے متصل سرحدی شہر تفتان جانا چاہتے تھے اور وہ سیٹلائیٹ ٹاؤن میں واقع ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کے دفتر پر بیٹھے تھے۔ پولیس اہلکار کے مطابق کمپنی کے دفتر میں دو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے ان افراد پر فائرنگ کر دی۔ پولیس کے مطابق فائرنگ کے نتیجے میں دو افراد موقع پر ہی ہلاک ہوگئے جبکہ تیسرا شدید زخمی ہوا۔ زخمی شخص کو علاج کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں اس کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہے۔ ہسپتال ذرائع کے مطابق تینوں افراد کو سر میں گولیاں ماری گئیں۔ پاکستان میں حقوقِ انسانی کے لیے سرگرم ادارے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق سنہ 1999 سے 2012 تک 13 برس کے عرصے میں 800 شیعہ ہزارہ ہلاک کیے گئے جبکہ سنہ 2013 کے ابتدائی چند ہفتوں میں ٹارگٹ کلنگ اور بم دھماکوں میں 200 سے زائد افراد کی جان گئی۔ سنہ 2013 میں ہزارہ برادری کی تنظیم ہزارہ قومی جرگہ اور شیعہ تنظیم قومی یکجہتی کونسل کے اعداد و شمار کے مطابق جان و مال کو درپیش خطرات کی وجہ سے سنہ 1999 سے لے کر فروری سنہ 2013 تک تقریباً دو لاکھ ہزارہ بلوچستان چھوڑ کر پاکستان کے دیگر شہروں میں منتقل ہوئے یا پھر ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ (نامہ نگار)

جان سے مار ڈالا

پسنی نامعلوم افراد کی فائرنگ سے باجوڑ ایجنسی کا رہائشی شخص جاں بحق ہوگیا۔ 19 مارچ کو بلوچستان کے ساحلی شہر پسنی میں نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ مقامی انتظامیہ کے مطابق مقتول کی شناخت ظاہر شاہ، باجوڑ ایجنسی سے ہوئی۔ اور وہ پسنی میں کاروبار کرتا تھا۔ پولیس نے قتل کا مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ تاہم رپورٹ آنے تک کسی قسم کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

(نامہ نگار)

باپ کو مار ڈالا

فیصل آباد تھانہ ملت ٹاؤن کے علاقہ میں بیٹے نے ماں کو طلاق دینے پر باپ کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ 73 رب کا رہائشی 50 سالہ عاشق حسین گزشتہ کچھ عرصہ سے مانانوالہ میں رہائش پذیر تھا اور گھریلو جھگڑوں کے باعث اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ اسی رنجش کی بناء پر اس کے بیٹے آصف نے 27 مارچ کو اسے گھر سے باہر بلا کر فائرنگ کر دی، سر اور سینے میں گولیاں لگنے سے عاشق حسین موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا۔

(میاں نوید)

چار مہینوں میں سوویں پھانسی

اسلام آباد پاکستان میں گزشتہ دسمبر کو سزائے موت پر پابندی ختم ہونے کے بعد منگل کو سوویں پھانسی دے دی گئی۔ وہاڑی جیل کے سپرینٹنڈنٹ بابر علی شاہ نے بتایا کہ سال 2000 میں دہرا قتل کرنے والے منیر حسین کو آج پھانسی دے دی گئی۔ شاہ کے مطابق منیر نے نومبر 2000 میں جائیداد کے تنازع پر اپنے بھتیجے اور بھتیجی کو کلہاڑی کے وار کر کے قتل کر دیا تھا۔ انسانی حقوق کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے سوویں پھانسی کو 'شرمناک سنگ میل' سے تعبیر کیا ہے۔ ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ پھانسیاں دینے والا ملک بنتا جا رہا ہے۔ پھانسیوں کا سلسلہ گزشتہ سال دسمبر میں پشاور کے آرمی پبلک سکول پر طالبان کے حملے میں 154 ہلاکتوں کے بعد شروع کیا گیا تھا۔ منیر کو 2001 میں عدالت نے سزائے موت سنائی تھی۔ ملک میں 2008 سے پھانسیوں پر عمل درآمد بند تھا لیکن پشاور میں سکول پر حملے کے بعد پہلے پہل دہشت گردی کے الزامات میں اور رواں مارچ سے دیگر سنگین جرائم پر سزائے موت پانے والوں کو پھانسیاں دی جانے لگیں۔ یورپین یونین، اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں پاکستان پر پھانسیاں روکنے کیلئے دباؤ ڈال چکی ہیں۔ ایمنسٹی کے مطابق، پاکستان میں 8000 کے لگ بھگ قیدی سزائے موت کے منتظر ہیں۔ ایمنسٹی کے ایشیا پیسیفک ڈپٹی ڈائریکٹر ڈیوڈ گریفتس نے ایک بیان میں کہا صرف چار مہینوں میں سو پھانسیوں کا شرمناک سنگ میل عبور کر کے پاکستانی حکام انسانی زندگی کی مکمل توہین کا ثبوت دے رہے ہیں۔' ہماری تشویش کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر ایسے مقدموں میں مروجہ عالمی قوانین کے معیار کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔' 'سزائے موت پر عمل درآمد سے جرائم اور دہشت گردی کو جڑ سے نہیں اکھاڑا جا سکتا اور یہ سلسلہ فوری ختم ہونا چاہیئے۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

اب مان بھی لو

ساز، سُر

گیت، آواز یا جیتا جاگتا مکالمہ

مان لو کہ...

ان سب سے زیادہ تمہیں گولی کی آواز پسند۔۔۔

قہقہوں کے رنگ،

سنجیدہ گفتگو

یا کانوں میں رس گھولتی پیار بھری سرگوشی

اس اقرار سے ہچکچاتے کیوں ہو

کہ ان سے زیادہ تمہارے دل کو

صرف بین کرتی آوازیں

اور ماتم کدے ہی بھاتے ہیں۔

اب اس بات کا بھی کیا چھپانا کہ

خون کا فوارہ اگلتی

سینے میں پیوست گولیوں سے

تمہارے شانے پہ لگے پھولوں پہ بہار آتی ہے

اب مان کیوں نہیں لیتے

کہ تم پیشہ ور قاتل ہو

اور سانس لیتی زندگی پہ تمہارہ نشانہ

پکا ہو چلا ہے۔

(امر سندھو)

فائرنگ سے ایک شخص جاں بحق

خضدار ضلع خضدار کی تحصیل نال کے علاقہ گریشہ گروک میں نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے منیر احمد بزنجو نامی شخص جاں بحق ہوگیا۔ گریشہ کے علاقہ گروک میں موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم مسلح افراد نے منیر احمد بزنجو نامی شخص کو فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ زخمی کو سول ہسپتال نال پہنچایا جا رہا تھا مگر وہ راستے میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے لیویز نے ورثاء کی درخواست پر نامعلوم افراد کے خلافت مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔

(محمد یونس)

عورتیں

گھر پر دھاوا بول کر خاتون کو قتل کر دیا گیا

لوئر کوہستان 4 اپریل کی شب درمیانی بمقام دوبیر ضلع لوئر کوہستان سے تعلق رکھنے والے کوہستان کے ایک با اثر شخص ملک سید احمد خان سابق ایم این اے کے بیٹوں امیز خان اور مصر خان کی قیادت میں محمد انور اور صلاح الدین پسران حزب الرحمٰن ساکنان دوبیر نے کسی ذاتی تنازعے پر ایک نوجوان مقدر خان کے گھر پر دھاوا بول دیا اور فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں گھر میں موجود ایک خاتون خوشی بی بی موقع پر ہی دم توڑ گئی۔ تاہم اس واقعے کے خلاف 8 اپریل کو مقامی لوگوں نے احتجاج کیا جس کے نتیجے میں DPO لوئر کوہستان نے کاروائی کرتے ہوئے امیز خان اور محمد انور کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔ (نامہ نگار)

خاتون پر وحشیانہ تشدد

پیر محل نواحی گاؤں 683 / 24 گ ب کی خاتون نسرین بی بی ذوجہ عبدالرشید رات کے تقریباً نو بجے گھر میں سوئی ہوئی تھی کہ عبدالندیم، عبدالکریم، نعمان پسران عبدالمجید اور علی حیدر نے مبینہ طور پر اپنے دیگر چار ساتھیوں سے باہم صلاح مشورہ کر کے خاتون کے گھر سے مویشی چوری کرنے کی کوشش کی تو خاتون نے نیند سے بیدار ہوتے ہوئے مزاحمت کی تو اسے کلہاڑیس سے زخمی کر دیا گیا۔ مضروبہ خاتون نے اندراج مقدمہ کے لئے تھانہ پیر محل پولیس کو درخواست جمع کروائی تھی مگر اس رپورٹ کے ارسال ہونے تک مقدمہ درج نہیں کیا گیا تھا۔ مذکورہ واقعہ 2 اپریل کو پیش آیا تھا۔ (اعجاز اقبال)

عورتوں کے حقوق کے تحفظ پر زور

عمر کوٹ پاکستان ہندو سیوا ویلفیئر ٹرسٹ نے ایچ آر سی پی کور گروپ عمر کوٹ کے اشتراک سے عورتوں کے حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے 29 مارچ کو ٹاؤن کمیٹی ہال سامارو میں ''عورتوں کے حقوق'' کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔ سیمینار میں خواتین سمیت شرکاء کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی۔ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اوکھومل نے کہا کہ آج کا دن ہمارے لیے کسی عید سے کم نہیں کیونکہ آج اس پروگرام میں تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے خواتین وحضرات شامل ہیں۔ عورتوں کے حقوق کا عالمی دن 8 مارچ مخصوص ہے لیکن عورت کی اہمیت، محنت، عظمت اور مقام کے پیش نظر ہر دن عورت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ہونا چاہیئے۔ عورت کا ہر روپ ماں، بہن، دادی، نانی، خالہ، بھابھی، بیوی وغیرہ قابل تحسین اور وفا کا مکمل پیکر ہے۔ عورتوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہنگامی اور ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ عورتوں کو ان کے جائز حقوق اور مقام مل سکے۔ کیونکہ ملک کی نصف سے زیادہ آبادی کو حقوق دیئے بغیر ملکی ترقی ناممکن ہے۔ دیگر مقررین نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک کی زیادہ تر آبادی خواتین پر مشتمل ہے لیکن بد قسمتی سے سب سے زیادہ بدسلوکی کا شکار عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ عورتوں کے زیادہ تر حقوق صرف کاغذوں تک ہی محدود ہے۔ حقوق کے لیے قوانین تو بتائے جاتے ہیں لیکن عملداری نہ ہونے کی وجہ سے انہیں حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ مقررین نے مزید کہا کہ اگر مرد کسی سے چاہت کا اظہار کرے تو وہ پیار ہے لیکن عورت کرے تو اس کو'' کالی'' کا لقب دے کر غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔ معاشرے میں عورت کو جائز مقام نہیں ملا ابھی تک عورت مخالف فرسودہ رسمیں ختم نہیں ہوئیں۔ کئی لوگ ابھی بھی اپنے مختلف تنازعے حل کرنے کے لیے عورتوں کو اپنے مخالف فریق کے حوالے کرتے ہیں۔ قبل از مسیح میں بھی عورتوں کے ساتھ ظلم ہوتا تھا۔ آج اکیسویں صدی میں بھی عورت ظلم، جبر وانصافی کا شکار ہے۔ آج بھی بیٹے کی پیدائش پر خوشی میں جشن کئے جاتے ہیں۔ جبکہ لڑکی کی پیدائش پر گھروں میں سوگ اور ماتم جیسی صورتحال ہو جاتی ہے۔ صحت کی سہولیات کے حوالے سے بھی عورتوں کے امراض کے لیے ہسپتالوں میں ماہر لیڈی ڈاکٹروں کی شدید کمی ہے۔ مراکز صحت میں لیڈی ڈاکٹرز نہ ہونے کی وجہ سے ڈلیوری کے دوران پیش آنے والی پیچیدگیوں سے کئی عورتیں ماں بننے سے پہلے موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں لڑکیوں کے لیے اسکول نہ ہونے کی وجہ سے اکثر لڑکیاں تعلیم حاصل نہ کرنے پر مجبور ہیں۔ شرکاء نے مقررین خواتین کو جائز حقوق دلانے اور جائز مقام کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

1۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے، قوانین میں عورت مخالف تمام شقیں ختم کی جائیں۔ حدود آرڈیننس جیسے قوانین پر نظرثانی کی جائے۔
2۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں نشستیں ملک میں عورتوں کی آبادی کے حساب سے مخصوص کی جائیں۔
3۔ ملک کے تمام چھوٹے بڑے مراکز صحت میں فوری طور پر لیڈی ڈاکٹرز کی تقرری عمل میں لائی جائے۔
4۔ دیہاتی اور پسماندہ علاقوں میں گرلز مڈل اور ہائی سکول بنائے جائیں۔

(اوکھومل)

اس دفعہ بھی خواتین کے حق رائے دہی پر پابندی کا خطرہ

گلگت گلگت بلتستان کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں ضلع دیامر کی 31000 خواتین کا حق رائے دہی کے استعمال سے محروم ہونے کا خدشہ ہے۔ اس سے پہلے گیارہ مرتبہ انتخابات ہو چکے ہیں جن میں دیامر کے تینوں حلقوں میں خواتین کو حق رائے دہی کے استعمال سے محروم رکھا گیا۔ سال 2009 کے انتخابات میں بھی کئی امیدواروں کی جانب سے خواتین کے حق رائے دہی کے استعمال پر عائد پابندی ختم کرنے مطالبہ کیا گیا تھا، مگر اُس مطالبے پر عملدآمد نہ ہوسکا۔ دیامر میں 1974 سے لیکر آج تک خواتین حق رائے دہی کا استعمال نہیں کر رہیں۔ گیارہ انتخابات کا انعقاد ہو چکا ہے جس میں خواتین کو مسلسل حق رائے دہی سے محروم رکھا گیا ہے۔ اسلئے قوی امکان ہے کہ سال 2015 کے انتخابات میں بھی خواتین کو انتخابی عمل میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ الیکشن 2015 میں بھی خواتین کے حق رائے دہی کے استعمال کو یقینی بنانے کے حوالے سے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ ضلع دیامر میں کل رجسٹرڈ خواتین ووٹروں کی تعداد 45,621 ہے۔ GBLA دیامر 15 کی 13,774 خواتین اپنا حق رائے دہی استعمال کر رہی ہیں۔ جبکہ GBLA 17 اور GBLA 18 میں خواتین کو حق رائے دہی کی کے شمال کی اجازت نہیں جبکہ GBLA دیامر 16 کی صرف ایک فیصد خواتین ہی حق رائے دہی استعمال کر سکیں گی۔ ان تینوں حلقوں میں خواتین ووٹرز کی تعداد 31847 بنتی ہے۔ گلگت بلتستان کے ضلع دیامر میں کل 96,109 ووٹرر جسٹرڈ ہیں۔ جس میں مردوں کی تعداد 50,488 اور خواتین ووٹرز کی تعداد 45,621 ہے۔ گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں 617305 مرد وخواتین اپنا حق رائے دہی استعمال کرینگے۔ جس میں خواتین ووٹرز کی تعداد 288,473 اور مردوں کی تعداد 328,832 ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد کا نام ووٹر فہرست میں شامل ہی نہیں کیا گیا ہے۔ الیکشن کمیشن گلگت بلتستان نے اسمبلی انتخابات 2015 کا شیڈول جاری کر دیا ہے۔ اپریل 26,27 کو کاغذات نامزدگی 28 اپریل سے 4 مئی تک کاغذات کی جانچ پڑتال اور 8 جون 2015 کو پولنگ ہوگی۔ (شاہد اقبال)

کاری، کاروکہا اور زندہ رہنے کا حق چھین لیا: مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہد حق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 مارچ سے 23 اپریل تک 11 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 6 خواتین اور 5 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
25مارچ	زینت لہر	خاتون	28برس	شادی شدہ	دلمرادلہر	بندوق	دیور	گوٹھ پیر بخش لہر، شکار پور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
کیم اپریل	غلام نبی مغیری	مرد	33برس	۔	ستار مغیری اور ساتھی	بندوق	کزن	گوٹھ ہوندو مغیری، قمبر۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
11اپریل	بہرام سنانی	مرد	50برس	شادی شدہ	راضی خان لیڑوانی	بندوق	۔	گوٹھ وزیر لیڑوانی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
11اپریل	پٹھانی چاچڑ	خاتون	۔	شادی شدہ	خدابخش چاچڑ	بندوق	دیور	گوٹھ دل مراد چاچڑ، بخشاپور، کشمور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17اپریل	شاہدہ کھوسو	خاتون	25برس	شادی شدہ	بھورو کھوسو اور ساتھی	بندوق	خاوند	انڑپور، کچہ، جامشورو۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17اپریل	شفیع محمد کھوسو	مرد	35برس	۔	بھورو کھوسو اور ساتھی	بندوق	پڑوسی	انڑپور، کچہ، جامشورو۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17اپریل	کونج	خاتون	25برس	شادی شدہ	راحب	کلہاڑی	خاوند	باڈہ، لاڑکانہ۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17اپریل	برکت علی جعفری	مرد	23برس	۔	حیات اور ساتھی	بندوق	رشتے دار	گوٹھ خیر محمد جعفری، گڑھی یاسین، شکار پور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17اپریل	ع سبزوئی	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	بندوق	دیور	گوٹھ راجو سبزوئی، کوٹ شاہو، خانپور، شکار پور	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
19اپریل	ریشماں کھوسو	خاتون	۔	۔	امیر کھوسو اور ساتھی	بندوق	بھتیجا	گوٹھ شہمیر کھوسو، قاضی احمد، نواب شاہ۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
20اپریل	عمران بروہی	مرد	۔	۔	مشتاق شیخ	بندوق	۔	نمائش گراؤنڈ جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات: مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 26 مارچ سے 23 اپریل تک 115 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 90 خواتین شامل ہیں۔ 66 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 10 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
26ماچ	م ب	بچی	6برس	غیر شادی شدہ	احسان	اہل علاقہ	محلّہ عامر ٹاؤن، جھنگ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	آصف	بچہ	10برس	غیر شادی شدہ	رانا ریاست	اہل علاقہ	چک 202، ب، فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	م	خاتون	۔	شادی شدہ	فاروق، گلزار، جاوید، آصف	اہل علاقہ	کیکری والا سنگھرہ، اوکاڑہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	۔	بچہ	10برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	مظفر پور، سیالکوٹ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	وزیر آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	۔	مرد	16برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	تاندلیانوالہ، فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
26ماچ	۔	مرد	15برس	غیر شادی شدہ	رضا، دلاور، ظفر	اہل علاقہ	موضع دھید ووالی، ڈسکہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
27مارچ	فریاد حسن	مرد	۔	غیر شادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	قصبہ وڈالہ دیال شاہ، فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
27مارچ	ف	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	عارف	اہل علاقہ	چک 218 رب، فیصل آباد	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
27مارچ	سلیمان	بچہ	ـ	غیرشادی شدہ	مٹھو	اہل علاقہ	ملت ٹاؤن، فیصل آباد	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
27مارچ	و	خاتون	50برس	شادی شدہ	اعجاز	اہل علاقہ	50/5ایل، نورشاہ	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
25مارچ	صادق پنہور	بچہ	11برس	غیرشادی شدہ	ہدایت اللہ پھوڑ	اہل علاقہ	گوٹھ ابراہیم پھوڑ، خانپور، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
26مارچ	ش	خاتون	10برس	غیرشادی شدہ	شہباز، رفیق، عمران آرائیں	اہل علاقہ	مسلم کالونی ڈہرکی، گھوٹکی، سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
27ماچ	ن	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	رینجرز کالونی میرپور ماتھیلو، گھوٹکی، سندھ	ـ	ـ	روزنامہ کاوش
27مارچ	انیشن کمار	مرد	20برس	ـ	ریاض، عامر، راشد عمر ماکو	اہل علاقہ	سائیٹ ایریا سکھر، سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
28مارچ	ش	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ندیم، سعید، ذیشان، افتخار، اکرم	اہل علاقہ	چک جھمرہ، فیصل آباد	درج	گرفتار	روزنامہ جنگ
28مارچ	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	امین، ساتھی	اہل علاقہ	گاؤں 38 کے بی، پاکپتن	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
28مارچ	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	امین، ساتھی	اہل علاقہ	گاؤں 38 کے بی، پاکپتن	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
28مارچ	ن ب	خاتون	ـ	ـ	امجد	اہل علاقہ	چک 69/4 آر، ساہیوال	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28مارچ	الف	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	کاشف، ہارون، مزمل	اہل علاقہ	تھانہ ڈجکوٹ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
29مارچ	ن	بچی	4برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	نواں کوٹ	درج	ـ	روزنامہ خبریں
29مارچ	صہیب	بچہ	2برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	گاؤں سہارنکے، بھائی پھیرو	ـ	ـ	روزنامہ خبریں
30مارچ	عنایت	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	راجا، شنیو، قادر بخش بھٹی	اہل علاقہ	بچل شاہ محلّہ، خیرپور میرس، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
30مارچ	ش	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	نورحسن، گل، ہاشم موچی	ـ	نزد کھنجھو تھانہ، ڈہرکی، گھوٹکی، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
30مارچ	الف	خاتون	45برس	شادی شدہ	نورحسن، گل، ہاشم موچی	ـ	نزد کھنجھو تھانہ، ڈہرکی، گھوٹکی، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
30مارچ	عبدالرزاق	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	ابوسفیان	اہل علاقہ	قصور	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
30مارچ	ـ	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	اسحاق، نصراقبال	اہل علاقہ	51 ڈبلیو بی، وہاڑی	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
30مارچ	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	اہل علاقہ	105/15ایل، میاں چنوں	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
30مارچ	ـ	خاتون	ـ	ـ	سعید	اہل علاقہ	105/15ایل، میاں چنوں	ـ	ـ	روزنامہ ایکسپریس

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
30مارچ	-	خاتون	-	-	سعید	اہل علاقہ	105/15ایل،میاں چنوں	-	-	روزنامہ ایکسپریس
30مارچ	ص	خاتون	-	-	-	اہل علاقہ	گاؤں چاہ سنگھ والا،قصور	درج	-	روزنامہ ایکسپریس
31مارچ	-	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	ڈہرکی،گھوٹکی،سندھ	-	-	روزنامہ مشرق
31مارچ	ز	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	جعفر	اہل علاقہ	75ج ب،فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
31مارچ	-	خاتون	-	شادی شدہ	لطیف	اہل علاقہ	محلّہ حسن پورہ،فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
31مارچ	ع	خاتون	-	شادی شدہ	شان علی	اہل علاقہ	سینہ ٹاؤن،فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
31مارچ	الف	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	اشفاق	اہل علاقہ	ایم بلاک،بورے والا	-	-	روزنامہ نوائے وقت
31مارچ	ف	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	محلّہ نصیر آباد،فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ع	خاتون	-	غیرشادی شدہ	شہباز	اہل علاقہ	تاندلیانوالہ،فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ن	خاتون	-	-	انور	اہل علاقہ	-	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ف	خاتون	-	-	شکیل	اہل علاقہ	چک 7ج ب فیصل آباد	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ب	خاتون	-	-	-	اہل علاقہ	جھنگ	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ذوہیب	بچہ	-	غیرشادی شدہ	عامر	اہل علاقہ	بھکر	-	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	ف	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	ثاقب	اہل علاقہ	قلعہ دیدار سنگھ	درج	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اپریل	-	بچہ	-	غیرشایدشدہ	اللہ دتہ	اہل علاقہ	تاندلیانوالہ،فیصل آباد	-	-	ایکسپریس ٹریبون
2اپریل	م	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	بلال	اہل علاقہ	3/10ایل،ہڑپہ	درج	-	روزنامہ ایکسپریس
2اپریل	ص	خاتون	-	شادی شدہ	لقمان بھٹو	دیور	گوٹھ جان محمد بھٹو،اوباڑو،گھوٹکی،سندھ	درج	-	روزنامہ کاوش
2اپریل	ن	خاتون	-	-	منظور،ماجد	اہل علاقہ	نزد ٹھل،جیکب آباد،سندھ	درج	-	روزنامہ کاوش
3اپریل	-	خاتون	-	شادی شدہ	حفیظ	اہل علاقہ	چک رکھ،پاکپتن	درج	-	روزنامہ دی نیوز
3اپریل	-	خاتون	-	شادی شدہ	علی	اہل علاقہ	چک 10 کے بی،پاکپتن	درج	-	روزنامہ دی نیوز
4اپریل	ک	خاتون	-	شادی شدہ	رمضان	داد	چک 170،سلانوالی	درج	-	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
4اپریل	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	عاصم بشیر	اہل علاقہ	گاؤں نورنگ، گجرات	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
5اپریل	ع	خاتون	ـ	شادی شدہ	اصغر	اہل علاقہ	تھانہ ملت ٹاؤن، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	م	خاتون	ـ	شادی شدہ	اسلم	اہل علاقہ	اسلام پورہ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	گ	خاتون	ـ	شادی شدہ	ریاض	اہل علاقہ	468 گ ب، تاندلیانوالہ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	ذ	خاتون	ـ	ـ	ریاض	اہل علاقہ	468 گ ب، تاندلیانوالہ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	ط	خاتون	16برس	غیر شادی شدہ	چاند	اہل علاقہ	پیپلز کالونی، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	ن	خاتون	14برس	غیر شادی شدہ	چاند	اہل علاقہ	پیپلز کالونی، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
5اپریل	ک	خاتون	ـ	شادی شدہ	علی	اہل علاقہ	66ج ب، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ خبریں
6اپریل	س	خاتون	ـ	ـ	ذوالفقار	اہل علاقہ	قصور	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
6اپریل	عبدالقیوم	بچہ	12برس	غیر شادی شدہ	عثمان، رضا	اہل علاقہ	بستی قادر آباد، قصور	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس
6اپریل	ر	خاتون	ـ	ـ	عمران سیلرو	اہل علاقہ	گوٹھ وارث، خیرپور میرس، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
6اپریل	بلال	بچہ	ـ	غیر شادی شدہ	ارسلان	اہل علاقہ	ڈیفنس ویو کالونی، جڑانوالہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
6اپریل	ف	خاتون	14برس	غیر شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	ملتان	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
7اپریل	ـ	خاتون	20برس	غیر شادی شدہ	مظفر شکور	اہل علاقہ	ٹمبر مارکیٹ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ نیوز
8اپریل	م	خاتون	ـ	ـ	سلیم	اہل علاقہ	محلہ انور روڈ، شیخوپورہ	درج	ـ	روزنامہ خبریں
8اپریل	م	بچی	3برس	غیر شادی شدہ	محمد یار	اہل علاقہ	ـ	درج	ـ	ایکسپریس ٹریبون
9اپریل	ف	بچی	13برس	غیر شادی شدہ	محمد یار	اہل علاقہ	تھانہ رجانہ، فیصل آباد	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
9اپریل	ز	خاتون	ـ	غیر شادی شدہ	صغیر	اہل علاقہ	بھلے ہانبوال، فیروزوالا	درج	ـ	روزنامہ نوائے وقت
9اپریل	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	گاؤں بوگی کلیاں، الہ آباد	ـ	ـ	روزنامہ دنیا
10اپریل	م	بچی	4برس	غیر شادی شدہ	وسیم	اہل علاقہ	جنوبی چھاؤنی، لاہور	درج	ـ	روزنامہ دنیا
11اپریل	ن	خاتون	ـ	شادی شدہ	عبداللہ	سسر	گاؤں 6/14ایل، کسووال	درج	ـ	روزنامہ ایکسپریس

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
11اپریل	ث	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	عمران،محسن	اہل علاقہ	تھانہ صدر،پنڈی بھٹیاں	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
11اپریل	ح	بچی	8برس	غیرشادی شدہ	شبیر ملاح	اہل علاقہ	اگڑا،خیرپورمیرس،سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
11اپریل	ر	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	آصف	اہل علاقہ	قصبہ تاندلیانوالہ،فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
11اپریل	حمزہ	مرد	17برس	غیرشادی شدہ	فاروق	اہل علاقہ	بٹالہ کالونی،فیصل آباد	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
12اپریل	ع ب	خاتون	۔	۔	جعفر	اہل علاقہ	جھنگ	درج	۔	روزنامہ نئی بات
12اپریل	سجاد حسین	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	سہیل،ٹیپو	اہل علاقہ	گاؤں ڈولہ مستقیم،حجرہ شاہ مقیم	درج	۔	روزنام خبریں
12اپریل	علی حیدر	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	سہیل،ٹیپو	اہل علاقہ	گاؤں ڈولہ مستقیم،حجرہ شاہ مقیم	درج	۔	روزنامہ خبریں
12اپریل	شکیل اعوان	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	ندیم،حمید،مجید	اہل علاقہ	جونگ کالونی ڈہرکی،گھوٹکی،سند	درج	۔	روزنامہ کاوش
13اپریل	فرحان	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	قیصر خان	اہل علاقہ	محلّہ بوری خیل،میانوالی	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	سجاد	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	نصیر	اہل علاقہ	تھانہ پپلاں،میانوالی	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	ع	خاتون	۔	۔	اطہر	اہل علاقہ	پکا گڑھا،سیالکوٹ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	ب	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	گوہروالا،بھکر	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	پ	بچی	8برس	غیرشادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	گوہروالا،بھکر	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	الف	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	دادن،ثابت لاشاری	اہل علاقہ	گاجی کھاڑو،قمبر،سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
13اپریل	س	خاتون	۔	شادی شدہ	ہارون،عرفان	اہل علاقہ	215رب،فیصل آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
13اپریل	ص	خاتون	18برس	۔	مکیش،راجو	اہل علاقہ	چک 101ڈی جی،بہاولپور	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
13اپریل	۔	خاتون	۔	۔	نادر خان	اہل علاقہ	سمندری روڈ،فیصل آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹریبون
14اپریل	الف	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	داروغہ والا،لاہور	درج	۔	روزنامہ جنگ
14اپریل	ر	خاتون	۔	شادی شدہ	مٹھوشاہ	اہل علاقہ	شہزاد روڈ،کاہنہ،لاہور	۔	۔	روزنامہ جنگ
15اپریل	۔	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	نتھے خالصہ،قصور	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
15اپریل	علی رضا	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	عمیر	اہل علاقہ	گکھر منڈی	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
15اپریل	ن	خاتون	ـ	ـ	پنو	اہل علاقہ	ٹھٹھہ چنوں،صدر گوگیرہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اپریل	س	خاتون	ـ	شادی شدہ	تبسم شکیل	اہل علاقہ	موضع نگور،ڈسکہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
15اپریل	الف	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	بشیر	اہل علاقہ	قاسم ٹاؤن، چنیوٹ	درج	ـ	روزنامہ خبریں
15اپریل	حذیفہ	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	محمد ساجد	اہل علاقہ	6/14ایل، چیچہ وطنی	درج	ـ	روزنامہ نئی بات
17اپریل	ـ	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چک31 عباسیہ، رحیم یار خان	درج	ـ	ایکسپریس ٹریبون
19برس	ـ	بچی	5برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	9/169ایل، کسووال	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
19برس	ش	خاتون	ـ	شادی شدہ	گلفام	اہل علاقہ	کوٹ عبدالمالک، فیروزوالا	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
19برس	ن	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	علی شیر	اہل علاقہ	چک 416 گ ب، فیصل آباد	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
19برس	س	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ثاقب	اہل علاقہ	جڑانوالہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
19برس	الف	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	اظہر	اہل علاقہ	88/6 آر، ساہیوال	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
19برس	ـ	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	محلّہ شاہ غریب، سیالکوٹ	درج	ـ	روزنامہ ڈان
20اپریل	ع	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	غلام رسول	اہل علاقہ	گاؤں ندنی راجپوت، گجرات	درج	ـ	روزنامہ خبریں
20اپریل	ن	بچی	8برس	غیرشادی شدہ	امین مسیح	اہل علاقہ	کوٹ پیر شاہ، قلعہ دیدار سنگھ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
20اپریل	ر	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	قادر	اہل علاقہ	چک238، تھانہ صدر، فیصل آباد	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
20اپریل	حیدر علی	بچہ	ـ	غیرشادی شدہ	مظہر علی	اہل علاقہ	چک شیر محمد، اوکاڑہ	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
20اپریل	عبدالقدیر	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	اختر	اہل علاقہ	ظفر کالونی، سرگودھا	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
20اپریل	ن	خاتون	ـ	ـ	بابا عباس سائیں	اہل علاقہ	شمس آباد، دیپالپور	ـ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
20اپریل	ث	خاتون	ـ	شادی شدہ	احسان	اہل علاقہ	گاؤں راجہ جنگ، قصور	ـ	ـ	روزنامہ دنیا
21اپریل	اعظم جتوئی	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	نزد سانگی، سکھر، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
22اپریل	الف	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	رشتہ دار	اہل علاقہ	گوٹھ جمال الدین بروہی، روہڑی، سکھر، سندھ	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
23اپریل	ش	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	علی شیر	اہل علاقہ	قادر آباد، بچل شاہ میانی سکھر، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش
23اپریل	ن	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	علی شیر	اہل علاقہ	قادر آباد، بچل شاہ میانی سکھر، سندھ	درج	ـ	روزنامہ کاوش

قانون نافذ کرنے والے ادارے

سکیورٹی گارڈ کی جان لے لی

فیصل آباد 7اپریل کومسلم ٹاؤن میں نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے سکیورٹی گارڈ کوقتل کر دیا۔ پولیس رپورٹ کے مطابق تھانہ سرگودھاروڈ کے علاقے مسلم ٹاؤن میں سدھو پورہ کا رہائشی 22سالہ قاسم ایک گھر کے باہر سکیورٹی گارڈ کےطور پر کام کرتا تھا۔ 17اپریل کونامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔موقع پر پہنچنے والی ریسکیو ٹیم نے اسے ہسپتال منتقل کیا جہاں اس نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ دیا۔ پولیس نے مقتول کے عزیز بلال کی رپورٹ پر نامعلوم ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔

(میاں نوید)

دھماکے سے ایک لیویز اہلکار ہلاک

باجوڑ ایجنسی باجوڑ ایجنسی میں ایک سکول کے قریب ہونے والے ریموٹ کنٹرول بم دھماکے میں لیویز فورس کے ایک اہلکار ہلاک ہو گئے ہیں۔ پولیٹکل انتظامیہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ یہ واقعہ 6اپریل کی صبح باجوڑ ایجنسی کے علاقے بادان ماموند میں لڑکوں کے ہائی سکول سے 50 گز دور پیش آیا۔ انھوں نے بتایا کہ لیویز فورس کے ایک صوبیدار سلطان بخت لڑکوں کے ہائی سکول میں ڈیوٹی دینے جا رہے تھے کہ راستے میں نصب بم پھٹ گیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ دھماکے میں کسی کے زخمی ہونے یا سکول کو نقصان پہنچنے کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ یاد رہے کہ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق فاٹا میں اب تک 500 سے زائد سکول تباہ ہو چکے ہیں جن کی تعمیر نو کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ سکیورٹی فورز کی جانب سے قبائلی علاقے خیبر ایجنسی میں بھی فوجی آپریشن جاری ہے۔ ادھر گذشتہ روز قبائلی علاقے اورکزئی ایجنسی میں سکیورٹی فورسز پر ہونے والے ایک حملے میں کم سے کم تین اہلکار ہلاک اور تین زخمی ہو گئے تھے۔ پاکستان میں دولتِ اسلامیہ کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے بی بی سی کو کسی نامعلوم مقام سے فون کر کے اس حملے کی ذمہ داری اپنی تنظیم کی جانب سے قبول کر لی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ دولت اسلامیہ کی طرف سے پاکستان میں سکیورٹی فورسز پر ہونے والے کسی حملے کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے۔

(نامہ نگار)

پولیس کی حراست میں ملزمان کو تشدد کر کے قتل کرنے کا الزام

تربت تربت پولیس کی حراست میں تشدد کے بعد قتل ہونے والے دوملزمان پر تشدد کے چشم دید گواہ اور چوری شدہ موٹر سائیکل کے مالک مولوی ولید نے 24مارچ کو مقامی صحافیوں کے سامنے انکشاف کیا کہ پولیس تحویل میں ہلاک ہونے والے دونوں ملزمان ناصر علی اور صدام حسین کو ایڈیشنل ایس ایچ او نور بخش نے ان کی موجودگی میں ملزمان کے گھر واقع بی اینڈ آر کالونی میں چھاپہ مار کر گرفتار کیا تھا اور پھر پولیس سٹیشن لے جایا گیا تھا جہاں ان کی موجودگی میں دونوں ملزمان کو بیچ پر الٹا لٹا کر تشدد کیا گیا۔ واقعہ کے چشم دید گواہ نے کہا ہے کہ وہ واقعہ کے رات تربت شہر سے چند کلومیٹر فاصلے پر واقع جوسک اپنے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں مقتول ملزمان ناصر علی اور صدام حسین نے ان کی موٹر سائیکل، نقدی اور تین موبائل فون گن پوائنٹ پر چھین لیے۔ اس کے بعد پولیس میں اس کے ایک رشتہ دار امیر علی کی مدد سے ملزمان کی گھر کی نشاندہی ہو گئی تھی۔ پھر پولیس نے ایڈیشنل ایس ایچ او نور بخش کی سربراہی میں ملزمان کے گھر پر چھاپہ مارا تھا جہاں سے اس کا مسروقہ سامان برآمد ہو گیا تھا، مولوی ولید نے بتایا کہ پولیس تھانے میں ایڈیشنل ایس ایچ او نے دونوں ملزمان پر تشدد کیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے میرا بیان تو قلمبند کیا تھا مگر میرے دستخط نہیں لیے تھے اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں صبح آ کر اپنے تحریری بیان پر دستخط کر دوں۔ انہوں نے بتایا کہ میرا سامان ابھی تک پولیس کی تحویل میں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آدھی رات تک پولیس تھانے میں موجود تھا اور ان کی موجودگی میں دونوں ملزمان ایڈیشنل ایس ایچ او کے تحویل میں تھے انہیں کب اور کیسے ڈی پی او کے گھر منتقل کیا گیا تھا اس کا اسے علم نہیں ہے البتہ انہوں نے کہا کہ وہ یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ ملزمان صدام اور ناصر کو گرفتاری کے بعد ڈی پی او کے گھر نہیں بلکہ تھانہ لے جایا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے ایڈیشنل ایس ایچ او نے مبینہ طور پر بیان دیا تھا کہ انہوں نے دونوں ملزمان ناصر اور صدام کو گرفتار کر کے ڈی پی او کے کہنے پر ان کے گھر منتقل کیا تھا جہاں ان کے مطابق دونوں ملزمان کی موت واقع ہوئی تھی اور موصوف ایڈیشنل ایس ایچ او نے ڈی پی او کیپٹن عمران قریشی کے خلاف ایف آر درج کروانے میں مدد کی تھی جبکہ ملزمان کی گرفتاری اور تھانہ منتقلی کی پوری داستان مولوی ولید نے بیان کر کے ایس ایچ او کے پچھلے بیان کی ایک طرح سے نفی کی ہے۔ اس وقت ایڈیشنل ایس ایچ او نور بخش بمعہ 4 پولیس اہلکاروں کے کرائم برانچ کوئٹہ میں زیر تفتیش ہیں۔

(اسد اللہ بلوچ)

ایف سی کا چار بلوچ جنگجوؤں کو ہلاک کرنے کا دعویٰ

قلات ضلع قلات سے 40 کلومیٹر دور خالق آباد کے پہاڑی علاقہ مکی میں ایف سی نے سرچ آپریشن کرنے اور چار افراد کو ہلاک کرنے کا دعویٰ کیا۔ ایف سی کے ترجمان کے مطابق 28مارچ کو فرنٹیئر کور بلوچستان کو خفیہ اطلاع ملی کہ پہاڑی علاقہ مکی میں ایک کالعدم تنظیم بلوچ ریپبلکن آرمی کے شر پسند چھپے ہوئے ہیں۔ ایف سی اہلکاروں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ان کے کمین گاہوں سے 500 کلوگرام بارود 150راکٹ لانچر اور 1500ڈیٹونیٹر برآمد ہوئے تاہم ہلاک ہونے والوں کے نام نہیں بتائے اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھے اور کن علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایف سی نے یہ بھی کہا تھا کہ علاقہ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے صوبائی وزیر داخلہ سے ہیلی کاپٹر کی مدد سے کارروائی کو انجام تک پہنچایا گیا جبکہ بی آر اے کے ترجمان نے اس دعویٰ کو غلط قرار دیا اور کہا کہ ان کے کسی ساتھی کو نہ گرفتار اور نہ ہلاک کیا گیا۔

(محمد علی)

بم دھماکے میں سکیورٹی اہلکار جاں بحق

باجوڑ ایجنسی 6اپریل کو باجوڑ ایجنسی کی تحصیل ماموند کے علاقہ بدان میں سڑک کنارے نصب ریموٹ کنٹرول بم دھماکے میں لیویز فورس کا صوبیدار سلطان بخت جاں بحق ہو گیا۔ واقعہ باجوڑ ایجنسی کے صدر مقام خار سے تقریباً 15 کلومیٹر دور تحصیل ماموند کے علاقہ بدان میں صبح ساڑھے آٹھ بجے اس وقت پیش آیا جب صوبیدار سلطان بخت گورنمنٹ ہائی سکول بدان میں امتحانی ہال میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ دھماکے کے نتیجے میں سلطان بخت موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ سکیورٹی فورسز اور پولیٹیکل انتظامیہ نے علاقے کو گھیرے میں لے کر سرچ آپریشن شروع کر دیا۔

(شاہد حبیب)

فائرنگ سے پولیس اہلکار جاں بحق

مردان 14 اپریل کی صبح بابنی روڈ پر پولیوٹیم کی حفاظت کے لیے جانے والے پولیس اہلکار کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ پارہوتی کے ایس ایچ او محسن فواد کا کہنا ہے کہ بابنی کا رہائشی وحید مردان کے تھانہ چورا میں تعینات تھا۔ 14 اپریل کی صبح وحید اپنے بھائی انصار شاہ کے ہمراہ پولیوٹیم کی حفاظت کے لیے روانہ ہوا۔ ایس ایچ او کے مطابق جب وحید مشین کوٹھی کے علاقے میں پہنچا تو نامعلوم افراد نے دونوں بھائیوں پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں وحید موقع پر جاں بحق ہو گیا جبکہ انصار شاہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پولیس نے انصار شاہ کی درخواست پر ایف آئی آر درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔ ابتدائی تفتیش سے پتا چلا کہ مقتول کی علاقے میں کسی سے دشمنی بھی چل رہی تھی۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

ایف سی کی کارروائی

تربت 13 اپریل کو تربت کے نواحی گاؤں گیبن میں فوجی کارروائی کی گئی جس کے نتیجے میں بقول ایف سی اس نے گوکدان کے 13 افراد کو ہلاک اور کئی کو گرفتار کیا ہے، جو گوکدان واقعے میں ملوث تھے۔ جن لوگوں کو ایف سی نے گیبن سے اغواء کیا، وہ بچے، بوڑھے اور خواتین تھیں، اور جس بوڑھے شخص کو ایف سی نے کمانڈر قرار دیا تھا، وہ تقریباً 2 سال سے معزور ہیں۔

(غنی پرواز)

بارودی سرنگ پھٹنے سے دو فوجی اہلکار جاں بحق

میران شاہ شمالی وزیرستان کے سب ڈویژن میر علی کے علاقے ماشخیل میں فوجی اہلکاروں کی گاڑی بارودی سرنگ سے ٹکرا گئی جس کے نتیجے میں دو فوجی اہلکار جاں بحق ہو گئے۔ اطلاعات کے مطابق سیکیورٹی فورسز نے اورکزئی ایجنسی میں ایک مرتبہ پھر جنگجوؤں کے خلاف زمینی اور فضائی حملے کئے جس میں 11 جنگجو ہلاک ہو گئے۔ جبکہ خیبر ایجنسی میں پاک افغان سرحد کے قریب دو گروہوں کے مابین تصادم میں پانچ جنگجو ہلاک ہو گئے۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

لیویز اہلکار کا قتل

باجوڑ ایجنسی 4 اپریل کو باجوڑ ایجنسی کی تحصیل ماموند کے علاقہ سرخلوز کرکٹ گراؤنڈ میں لیویز اہلکار طیب جو کہ میچ کھیل رہا تھا کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ملزمان جائے وقوعہ سے فرار ہو گئے۔ ابھی تک کسی تنظیم نے واقعہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ تاہم پولیٹیکل انتظامیہ نے واقعہ کی تحقیقات شروع کر دی ہے۔ (شاہد حبیب)

صحت

پولیو کے خلاف مہم چلانے کا فیصلہ

حیدرآباد سندھ میں صرف تین ماہ کے دوران پولیو کے 4 کیسز سامنے آنے اور حیدرآباد کے سیوریج کے پانی میں ایک مرتبہ پولیو وائرس کی تصدیق کے بعد انسداد پولیو کے وفاقی حکومت کے ٹیکنیکل ایڈوائزری گروپ (ٹیگ) کی ہدایت کے مطابق سندھ کے 27 اضلاع میں سے 18 میں انسداد پولیو کی خصوصی مہم ایس این آئی ڈی شروع کی جا رہی ہے۔ جو 6 تا 18 اپریل جاری رہے گی۔ تفصیلات کے مطابق رواں برس کے صرف تین ماہ میں سندھ کے اضلاع دادو، سکھر، خیرپور، ناتھن شاہ، اور قمبر میں پولیو کے چار کیسز سامنے آنے کے بعد حیدرآباد سمیت صوبے کے 18 اضلاع میں انسداد پولیو مہم چلائی جا رہی ہے۔ ان اضلاع میں وفاقی حکومت کے ملکی اور غیر ملکی ماہرین پر مشتمل ٹیکنیکل ایڈوائزری گروپ (ٹیگ) کی ہدایت پر سب نیشنل ایمیونائزیشن ڈے منایا جائے گا۔ انسداد پولیو کی سہ روزہ مہم 6 تا 18 اپریل کو (کیچ ڈے) منایا جائے گا جس میں ان بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جائیں گے جو سہ روزہ مہم کے دوران قطرے پینے سے محروم رہ گئے ہوں گے۔ مہم کے دوران ضلع بھر میں پانچ سال سے کم عمر کے تین لاکھ 97 ہزار 794 بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلانے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ قومی انسداد پولیو مہم کی نگرانی ضلعی انتظامیہ کے افسران، محکمہ صحت، یونیسیف، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن اور دیگر ادارے کر رہے ہیں۔ دوسری طرف حیدرآباد ضلع میں اس سال تین ماہ کے دوران تلسی داس سیوریج پمپنگ اسٹیشن کے پانی میں پولیو وائرس پایا گیا۔ محکمہ صحت ذرائع کے مطابق جنوری 2015ء میں مذکورہ پمپنگ سٹیشن کے گندے پانی کے نمونوں کو ٹیسٹ کے لیے اسلام آباد بھیجا گیا۔ جس کی رپورٹ منفی، فروری کی رپورٹ مثبت اور مارچ میں ایک بار پھر رپورٹ منفی آئی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انسداد پولیو مہم کے تسلسل کے باوجود گزشتہ تین ماہ کے دوران پاکستان بھر میں وائرس سے متاثرہ بچوں کی کل تعداد 20 بیس ہے جس میں چار کیسز سندھ کے ہیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

طبی سہولیات کے بغیر ہسپتال

ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے عوام کو علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنے کے لیے 66 بیسک ہیلتھ یونٹس، 23 ڈسپنسریاں اور سات رورل ہیلتھ سنٹرز کے علاوہ دو تحصیل ہیڈ کوارٹرز اور ایک ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز ہسپتال بھی قائم کیا گیا لیکن کسی بھی سرکاری ہسپتال میں ایمرجنسی مریضوں کے لیے انتہائی نگہداشت یونٹ اور وینٹی لیٹرز کی سہولت فراہم نہیں کی گئی حالانکہ صحت کے عالمی ادارے کے معیار کے مطابق ہر ہسپتال میں بیڈز کے تناسب سے 10 فیصد آئی سی یو بیڈز اور آبادی کے تناسب سے 2 فیصد وینٹی لیٹرز لازمی ہیں، اس تناسب سے صرف ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز ہسپتال میں 12 بیڈز پر مشتمل آئی سی یو اور وینٹی لیٹرز ہونے چاہئیں لیکن محکمہ صحت کے حکام نے ان کی فراہمی پر کوئی توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے مریضوں کو شرح اموات میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ محکمہ صحت کے حکام کی طرح عوامی نمائندگان نے بھی اس مسئلے کو نظر انداز کیا ہوا ہے۔ شہریوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ کم از کم ضلع کے سب سے بڑے ہسپتال میں ہی آئی سی یو اور وینٹی لیٹرز کی سہولت مہیا کر دی جائے تاکہ قیمتی جانیں ضائع ہونے سے بچ سکیں۔ (اعجاز اقبال)

تعلیم

سکول کی اراضی پر قبضہ

شہداد کوٹ 23مارچ کوشہری تنظیموں اورمزدور یونینوں کی جانب سے گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شہداد کوٹ کے نزدیک سرکاری پلاٹ پر قبضہ کرکے مکان بنانے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔اس موقع پر میڈیا سے بات کرتے ہوئے مظاہرین قربان علی سومرواور علی دوست سومرو نے کہا ہے کہ قبضہ مافیا کی طرف سے گرلز ہائی سکول کے سامنے سرکاری پلاٹ پر قبضہ کرکے مکان بنایا ہے،جس کی وجہ سے طلباء کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ اس قبضے کوفوری طور پرختم کرایا جائے،اور بچیوں کی تعلیم کوتباہی سے بچایا جائے۔

(ندیم جاوید)

خوف کے سائے میں تعلیم

سوات پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں کام کرنے والی تنظیم 'الف اعلان' کے مطابق سوات میں 28 فیصد بچے سکول نہیں جاتے۔ پاکستان کے صوبے خیبر پختونخوا کے ضلع سوات میں سرکاری اعداد وشمار کے مطابق 120 سے زائد سکول عمارت سے محروم ہیں۔سوات میں ایک گورنمنٹ پرائمری سکول ٹانگئی ہے جہاں 200 کے قریب بچے زیر تعلیم ہیں،ان بچوں کے لیےصرف دواساتذہ ہیں۔عمارت کے علاوہ یہ سکول دیگر بنیادی ضروریات پینے کے پانی سے بھی محروم ہے۔ایک تیسری جماعت کے طالب علم نعمت خان نے بتایا کہ انھیں سکول میں بہت ڈرلگتا ہے کیونکہ یہ بغیرعمارت کے ہے اور دہشت گرد کسی بھی وقت سکول پر حملہ کرسکتے ہیں۔پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں کام کرنے والی تنظیم 'الف اعلان' کے مطابق سوات میں 28 فیصد بچے سکول نہیں جاتے ہیں۔سرکاری اعدادوشمار کے مطابق سوات میں پرائمری لیول پرلڑکیوں کے 433 جبکہ لڑکوں کے 843 سکول ہیں اوران میں 1,806 خواتین اور 3,188 مرد اساتذہ ہیں۔انرولمنٹ کے حساب سے سوات میں 44 فیصد بچیاں سکولوں میں داخلہ لیتی ہیں مگرصرف دو فیصد ہی دسویں جماعت تک پہنچ پاتی ہیں۔اسی طرح 49 فیصد بچے سکولوں میں داخلہ لیتے ہیں لیکن صرف پانچ فیصد بچے ہی دسویں جماعت تک پہنچ پاتے ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

ہیڈ ماسٹر کوقتل کر دیا گیا

حیدرآباد 6اپریل کوہالا میں مخدوم سرورنوح ہائی سکول ہالا کے ہیڈ ماسٹر انورمیمن کونامعلوم مسلح افراد نے ان کے گھر میں گھس کر تیز دھارآلے سے گلاکاٹ کرقتل کردیا۔اطلاع ملنے پر پولیس جائے واردات پر پہنچ گئی اورنعش ہالا ہسپتال پہنچائی جہاں سے پوسٹ مارٹم کے بعدلاش ورثاء کے حوالے کردی۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہیڈ ماسٹر انورمیمن کوتیز دھارآلے سے گلاکاٹ کرقتل کیا گیا ہے۔ڈی ایس پی ہالانے علاقے کی ناکہ بندی کرکے 2افرادسدھیراورلطیف سولنگی کوگرفتارکرلیا جبکہ خادم نامی ملزم فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔پولیس کے مطابق ہیڈ ماسٹر کوان کے دوستوں نے ہی کسی بات پر ناراض ہوکرقتل کیا ہے۔واقعہ کے خلاف سکول کے اساتذہ نے مظاہرہ بھی کیا۔

(لالہ عبدالحلیم)

پنجاب یونیورسٹی سے دہشت گردوں کے رہنما کی گرفتاری

لاہور لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے کیمپس سے پولیس نے 21اپریل کوکالعدم تنظیم حزب التحریر کے صوبہ پنجاب کے صدرکوگرفتارکرنے کا دعویٰ کیا ہے۔حکام کا کہنا ہے کہ شہریار نجم نامی اس شخص سے نفرت انگیز مواد بھی برآمد ہوا ہے۔شہریار نجم تعلیم کے لحاظ سے سول انجینئر ہیں اورایک نجی کمپنی میں مارکیٹنگ ایگزیکٹو ہیں اوران کے والدین فوج سے وابستہ رہے ہیں جبکہ ان کا تعلق حیدرآباد سے بتایا جاتا ہے۔پولیس کے مطابق انھیں چند ہفتے پہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ شہریار نجم اکثر پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹلز میں واقعہ کینٹین آتے ہیں اور یہاں طلبہ کو جہاد اور ملک دشمن سرگرمیوں کے لیے اکساتے ہیں۔ جس پر انھوں نے شہریار کی نگرانی شروع کی۔ایس پی اقبال ٹاون ڈاکٹر محمد اقبال نے بتایا' کالعدم تنظیموں کا اکثر یہی طریقہ کار رہے کہ ان کے کارکن تعلیمی اداروں میں رابطے بڑھاتے ہیں۔نوجوانوں سے بات چیت اور بحث ومباحثے کے دوران ہم خیال افراد کا پتہ چلاتے ہیں اور پھرانھیں اپنی غیرقانونی اور ملک دشمن سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ شہریار نجم بھی یہی کررہے تھے۔' پولیس کے مطابق شہریار نجم کورات پنجاب یونیورسٹی بوائز ہاسٹل کے کیفیٹیریا سے گرفتار کیا گیا۔پولیس حکام کا کہنا ہے کہ ان سے کالعدم تنظیم حزب التحریر کا لٹریچر بھی برآمد ہوا ہے اوران کے لیپ ٹاپ میں بھی ایسا مواد موجود تھا اورانھوں نے ابتدائی تحقیقات میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ حزب التحریر سے منسلک ہیں۔حزب التحریر کو 2004 میں سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں کالعدم قرار دیا گیا تھا۔خیال رہے کہ حزب التحریر ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جو دنیا میں خلافت کا ایسا نظام قائم کرنے کی حامی ہے جوشرعی قوانین پر مبنی ہو۔امریکہ یورپ وسط ایشیائی ریاستوں اورعرب ملکوں میں حزب التحریر متحرک ہے۔سنہ 2004 میں سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں پاکستان میں اس تنظیم کو غیرقانونی قرار دے کراس پر پابندی عائد کردی گئی تھی اور تنظیم تاحال کالعدم تنظیموں کی فہرست میں شامل ہے۔تاہم دہشت گردی پرنظر رکھنے والے کئی تجزیہ کاروں کا یہ خیال ہے کہ پاکستان کی فوج میں کچھ ایسے عناصر ہیں جو نظریاتی طور پراس تنظیم سے ہمدردی رکھتے ہیں۔لاہور کے تھانہ مسلم ٹاون میں شہریار نجم کے خلاف ایف آئی آر درج کرلی گئی ہے۔ایف آئی آر میں پولیس خود ہی مدعی بنی ہے۔اوراس میں دہشت گردی، ریاست کے خلاف مجرمانہ سازش اور ملک دشمنی کی دفعات لگائی گئی ہیں۔ایس پی ڈاکٹر محمد اقبال کہتے ہیں 'ملزم کوجلد عدالت میں پیش کردیا جائے گا اوراس کا ریمانڈ لیا جائے گا تاکہ اس سے مزید تفتیش ہوسکے۔ہم یونیورسٹی میں کالعدم تنظیموں کی سرگرمیوں کے حوالے سے کافی محتاط ہیں۔شہریار کی گرفتاری بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ہمیں یونیورسٹی میں اس کی سرگرمیوں کی اطلاع چند ہفتے سے تھی اور نگرانی کے بعد اس کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔' پنجاب یونیورسٹی کے ترجمان خرم شہزاد کا کہنا ہے کہ شہریار نجم نہ تو جامعہ پنجاب کے طالب علم ہیں اور نہ ہی یہاں کسی ہوسٹل کے رہائشی۔'ہم یونیورسٹی میں غیرقانونی سرگرمیوں سے متعلق عدم برداشت کی پالیسی رکھتے ہیں اوراس حوالے سے بہت چوکس ہیں۔ہم یونیورسٹی کیمپس کوکسی ایسی سرگرمی کے لیے استعمال ہونے کی اجازت نہیں دیں گے جو ملک کے مفاد کے خلاف ہو یا قانون کے دائرے سے باہر ہو۔اس سلسلے میں ہم نے ہمیشہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعاون کیا ہے اور آئندہ بھی کریں گے۔' یاد رہے کہ ماضی میں بھی پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹلز سے دہشت گردی سمیت مختلف جرائم میں ملوث افراد گرفتار ہوچکے ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

بچے

ملازم بچی پر لوہے کے ہینگر سے تشدد

لاہور 19 فروری کو لاہور کی جوہر ٹاؤن پولیس نے ایک شخص کو اس وقت گرفتار کیا جب اس کی بیوی پر ایک بارہ سالہ ملازمہ پر تشدد کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ پولیس کا کہنا تھا کہ وہ خاتون کو گرفتار نہیں کر سکی کیونکہ پولیس کی چھاپہ مارنے والی ٹیم میں خاتون اہلکار موجود نہیں تھی۔ متاثرہ بچی کا کہنا تھا کہ ایک روز پہلے خاتون کے بیٹے نے شکایت کی تھی کہ بچی نے اس سے کتاب چھینی تھی جس پر خاتون نے اسے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ بچی نے بتایا کہ: ''اس نے مجھے لوہے کے ہینگر سے مارا۔ میرے پورے جسم میں درد ہے۔'' ٹی وی فوٹیج میں اسے سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ میڈیا سے بات کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ چھ ماہ پہلے سرگودھا کے ایک گاؤں سے کام کرنے کی غرض سے لاہور آئی تھی اور اسے ماہانہ پانچ ہزار روپے تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس نے مزید بتایا کہ اس کی سات بہنیں اور دو بھائی تھے۔ چائلڈ پروٹیکشن بیورو نے بچی کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ سپارک)

54 لاکھ پاکستانی بچے سکول نہیں جاتے: یونیسکو

----- رپورٹ کے مطابق پاکستان سنہ 2015 تک کے اپنے زیادہ تر تعلیمی اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ثقافت اور تعلیم سے متعلق اقوامِ متحدہ کے ادارے یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق 54 لاکھ پاکستانی بچے سکول نہیں جاتے جو جنوبی ایشیا کے ممالک میں سب سے بڑی تعداد ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے بارے میں منظرِ عام پر آنے والی یونیسکو کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رواں سال کے آخر تک پاکستان میں لڑکیوں اور لڑکوں کے پرائمری سکولوں میں بھرتیوں کا تناسب بہتر ہونے کا امکان ہے۔ یونیسکو کی یہ رپورٹ 'سب کے لیے تعلیم' کے موضوع پر گذشتہ 15 سالوں سے شائع ہو رہی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جنوبی ایشیا میں بھارت، ایران اور نیپال نے اس سلسلے میں خاص پیش رفت دکھائی ہے تاہم بچوں کی بڑی تعداد سکول چھوڑ دیتی ہے اور تعلیم کا معیار بہت خراب ہے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان سنہ 2015 تک کے زیادہ تر تعلیمی اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جنوبی ایشیا میں بچوں کے سکول چھوڑنے کی شرح جہاں بہت کم ہوئی ہے وہیں پاکستان میں یہ تعداد سب سے زیادہ ہے۔ جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک کے مقابلے میں پاکستان میں 54 لاکھ بچے سکول نہیں جاتے اور جو جاتے ہیں ان کی بہت کم تعداد دسویں جماعت تک پہنچ پاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق سنہ 2014 میں بلوچستان کے پانچویں جماعت کے 33 فیصد بچے اردو اور مقامی زبانوں میں کہانی پڑھ سکتے تھے جبکہ صوبہ پنجاب میں یہی تعداد 63 فیصد تھی۔ یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق غریب بچیاں سب سے زیادہ ناخواندگی کی شکار رہتی ہیں تاہم اس کے باوجود سکول میں داخل ہونے والے لڑکے اور لڑکیوں کا تناسب بہت بہتر ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق نصابی کتابوں میں بھی جنسی تعصب واضح ہے جس کی کئی وجوہات ہیں: 'نصاب کی اصلاح اور کتابیں شائع کرنے والے ادارے اس تعصب کو ختم کرنے کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں جبکہ اصلاحات کو سیاسی ترجیح نہیں دی جاتی اور نہ ہی انھیں عوامی تعاون حاصل ہے۔' رپورٹ نے سرکاری اعداد و شمار کی مدد سے معیارِ تعلیم اور مختلف علاقوں کے درمیان تفریق پر بھی سوال اٹھایا ہے۔ رپورٹ کے مطابق سنہ 2014 میں بلوچستان کے پانچویں جماعت کے 33 فیصد بچے اردو اور مقامی زبانوں میں کہانی پڑھ سکتے تھے جبکہ صوبہ پنجاب میں یہی تعداد 63 فیصد تھی۔ یونیسکو نے سنہ 2000 میں دنیا میں تعلیم کے حوالے سے سنہ 2015 تک پانچ اہداف کی نشاندہی کی تھی جن میں بچوں کا سکول میں داخلہ، بالغ افراد کی ناخواندگی کی شرح کو نصف کرنا اور ثانوی تعلیمی سطح تک لڑکے اور لڑکیوں کا برابر کا تناسب شامل ہیں۔ یونیسکو کا کہنا ہے کہ پاکستان ان تمام اہداف میں بہت پیچھے ہے تاہم پاکستان میں پرائمری سکول سے قبل 80 فیصد داخلوں تک کی شرح اچھی ہے اور پاکستان پرائمری سکول میں لڑکے اور لڑکیوں کے برابر داخلے کے ہدف تک تقریباً پہنچ چکا ہے۔ یونیسکو کے مطابق پاکستان میں معیارِ تعلیم کی بہتری، جنسی تعصب کا خاتمہ، تعلیمی اداروں تک رسائی اور سکولوں میں اچھے ماحول کے لیے زیادہ رقم مختص کرنے کے علاوہ پختہ سیاسی عزم سے ہی ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

دو گھریلو ملازم بچیوں پر تشدد

لاہور پاکستان میں بچوں کے لیے 2015ء کا آغاز برے طریقے سے ہوا۔ 10 سالہ انصرہ اور 15 سالہ شکیلہ کو ان کے آجروں نے تشدد کا نشانہ بنایا۔ چائلڈ ایڈووکیسی نیٹ ورک کے ترجمان نے سپارک کو بتایا کہ یہ واقعات وہ ہیں جو میڈیا کے ذریعے منظر عام پر آئے۔ پنجاب کے پوش علاقوں میں ہر تیسرے اور چوتھے گھر میں بچے گھریلو ملازمین کے طور پر کام کر رہے ہیں، جنہیں ناروا سلوک، جنسی تشدد، بدفعلی، استحصال اور ایذا رسانی کا نشانہ بنائے جانے کے علاوہ قتل بھی کر دیا جاتا ہے لیکن وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے صوبے سے اس قسم کے تشدد کے خاتمے کے لیے ضروری قانونی، انتظامی، مالیاتی اور دیگر اقدامات نہیں کیے۔ بچوں کو گھروں میں ملازم رکھنا آئین کے آرٹیکل 25-A اور پنجاب مفت اور لازمی تعلیم ایکٹ 2014ء کی روح کے خلاف ہے جو 5 سے 16 برس کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم کی فراہمی پر نہ صرف زور دیتا ہے بلکہ اس کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ غلامی کے شکار بچوں کو نہ صرف تعلیم کے حق بلکہ صحت کی سہولیات کے حق، زندہ رہنے کے حق، خوراک کے حق، مناسب نگہداشت کے حق، دوست بنانے کے حق، کھیلنے کے حق، فارغ وقت سے لطف اندوز ہونے کے حق اور ناروا سلوک، تشدد اور استحصال سے تحفظ کے حق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ ادارہ برائے سماجی انصاف کی جانب سے اکٹھے کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق جنوری 2013ء سے دسمبر 2014ء تک میڈیا نے گھریلو ملازمین پر تشدد کے 34 واقعات کی اطلاع دی۔ ان واقعات میں 14 اموات واقع ہوئیں۔ ان میں سے 97 فیصد واقعات کا تعلق پنجاب سے تھا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ سپارک)

تعلیمی سہولیات کے بغیر سکول

کرم ایجنسی کرم ایجنسی کے گاؤں علیشاری نئے کلے میں 1990ء کو مسجد پرائمری سکول قائم کیا گیا تھا۔ جو تا حال اس حیثیت سے برقرار ہے یہ سکول دو کچے کمروں پر مشتمل ہے جس میں چوتھی جماعت تک بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ اور ان دو کمروں سے بیک وقت سٹور، دفتر اور پڑھائی کا کام لیا جاتا ہے۔ مقامی لوگوں نے حکام سے مطالبہ کیا کہ اس سکول کو پرائمری سکول کا درجہ دیکر تمام سہولیات فراہم کی جائیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ حالیہ سیکورٹی خدشات کے پیش نظر اگر اس سکول کیلئے عمارت کا بندوبست نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم چاردیواری کا بندوبست کیا جائے۔ جبکہ بچوں نے کہا کہ ان کو کھلے آسمان تلے سخت دھوپ میں پڑھنا پڑھتا ہے جبکہ بارشوں اور سردیوں میں تند و تیز ہواؤں کی وجہ سے ان کی پڑھائی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس سکول کے چاروں طرف کئی دیہات واقع ہیں اور اس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد 128 بتائی جاتی ہے۔ (نامہ نگار)

انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں کی سالانہ ورکشاپ

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں کی سالانہ ورکشاپ **19** اپریل **2015**ء کو کمیشن کے مرکزی دفتر دراب پٹیل آڈیٹوریم، ایوان جمہور لاہور میں منعقد ہوئی جس میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے انسانی حقوق کے ایک سو سے زائد سرگرم کارکنوں نے شرکت کی۔ مقررین نے نظم و نسق اور پالیسی سازی میں پائی جانے والی خامیوں پر گفتگو کی۔ اجلاس دو سیشن پر مشتمل تھا۔ پہلے سیشن میں خارجہ پالیسی اور دوسرے سیشن میں عدالتی نظام، بلوچستان میں انسانی حقوق کی صورتحال اور آزادیوں پر حملوں پر گفتگو کی گئی۔ اجلاس کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

پہلا سیشن

غازی صلاح الدین (معروف صحافی وتجزیہ نگار)

ہمارے آج کے سیشن کا موضوع ”نظم ونسق اور پالیسی سازی میں پائی جانے والی خامیاں“ ہےاوراس کے دوحصے ہیں۔ پہلا حصہ امور خارجہ اور دوسرا حصہ عدالتی نظام، بلوچستان اور آزادیوں پرحملوں سے متعلق ہے۔ پہلے سیشن پر جومقررین بحث کریں گےان میں سابق وزیرخارجہ خورشد محمود قصوری، سیکریٹری خارجہ شمشاد احمد، مصنف، محقق، کالم نگاراور صحافی زاہد حسین، اور ایچ آرسی پی کی چیئرپرسن زہرا یوسف شامل ہیں۔ نظم ونسق میں پائی جانے والی خامیوں کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب یمن کا مسئلہ کھڑا ہوا تو ہم نے دیکھا کہ امور خارجہ ایک پہیلی بن کر رہ گئے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ فیصلے کون کر رہا ہے یا کیسے ہوں گےاوراس کا طریقہ کار کیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس معاملے پر پارلیمنٹ کا ایک مشترکہ اجلاس بھی ہوا جو اچھی بات ہے لیکن یہ پتانہیں چلا کہ جوقرارداد منظور کی گئی وہ موثر بھی ہے یا نہیں اور نہ ہی یہ پتا چل سکا کہ جب وزیراعظم اور دیگر وزرا سعودی عرب جاتے رہےتو وہاں کیا باتیں ہوئیں اور کیا فیصلے کیے گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شراکت داروں یعنی پارلیمنٹ اورعوام کا پالیسی سازی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے جس کا سبب ایڈہاک ازم ہے۔ یہ ایڈہاک ازم کبھی کبھار اس سطح تک پہنچ جاتا ہے کہ اس سے ریاست کوخطرہ بھی ہوسکتا ہے۔ آج ہم اس پر بات کریں گے کہ خارجہ پالیسی کیسے بنتی ہے، پاکستان کس طرح سے ایک سیکیورٹی سٹیٹ رہا ہے، کس طرح سے اس کے حکمرانوں نے اس کے جغرافیے تک کوتبدیل کرنے کی کوشش کی اوراسے جنوبی ایشیا سے نکال کرمشرق وسطیٰ میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ میرا خورشید صاحب سے یہ سوال ہےاوروہ اس راز سے واقف ہوں گے کہ خارجہ پالیسی کیسے بنتی ہےاوراسے کون بناتا ہے۔

خورشید محمود قصوری (سابق وزیرخارجہ پاکستان)

یہ راز اتنا پوشیدہ نہیں ہے۔ میری کتاب میں ایک باب افواج پاکستان سے متعلق ہے، کیونکہ ہندوستان میں یہ کہا جاتا تھا کہ آپ جو مرضی کرلیں فوج ہندوستان کے ساتھ امن قائم نہیں ہونے دے گی۔ چونکہ میں ڈیفنس سٹڈیز کا سکالر نہیں ہوں اس

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہمیں چند بہترین وزیرخارجہ اور سیکریٹری خارجہ ملے جو دنیا بھر میں ہماری نمائندگی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر سر ظفراللہ خان جن کے کردار کو بہت محدود کردیا گیا میں نے اپنی کتاب میں انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کامیاب ترین وزیرخارجہ قرار دیا ہے۔

لیے میں صرف آنکھوں دیکھا حال بیان کرسکتا ہوں۔ اور میں نے اس بات کوٹالا نہیں بلکہ میں نے جرنیلوں کے نام لیے ہیں۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو شروع میں دفتر خارجہ کا کردار بہت موثر تھااور اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس کے زوال کی وجہ کیا ہے۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہمیں چند بہترین وزیر خارجہ اور سیکریٹری خارجہ ملے جو دنیا بھر میں ہماری نمائندگی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر سر ظفراللہ خان جن کے کردار کو بہت محدود کردیا گیا میں نے اپنی کتاب میں انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کامیاب ترین وزیرخارجہ قرار دیا ہے۔ میں نے انہیں اس لیے کامیاب قرار دیا ہے کہ جب میں شمالی افریقہ جاتا تھا تو مجھے بہت فخر محسوس ہوتا تھا کہ ایک سڑک کا نام ظفراللہ خان کے نام پر تھا، اقوام متحدہ میں ہمارے نمائندے پطرس بخاری کے نام پر کئی سڑکیں تھیں۔ اس کے علاوہ مراکش میں ایک شخص نے اپنے گیارہ بچوں کے نام پاکستانی قائدین کے نام پر رکھے ہوئے تھے۔ یہ سب ہمارے وزرائے خارجہ کی ہی بدولت تھا۔ اس دور کو اقوام متحدہ کے سنہری سال کہا جاتا ہے۔

اگر پاکستان اورانڈیا کا شروع کا ووٹنگ ریکارڈ دیکھیں تو افریقہ، نوآبادکاری کے خاتمے، اور غیرجانبداری کی تحریک پر دونوں ممالک کا موقف ایک ہی تھا۔ جب میں وزیرخارجہ بنا تو میں نے محسوس کیا کہ دفتر خارجہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، فوج ایک حد تک ایسا کرسکتی ہے لیکن مکمل طور پر نہیں، اس کی ایک وجہ ہے۔ ان کے پاس وسائل زیادہ ہیں لیکن جو ہم کرسکتے ہیں وہ نہیں کرسکتے۔ ہمارے پاس تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ساری زندگی تجزیات میں گزر جاتی ہے۔ میرا یہ ماننا ہے کہ اگر وزیرخارجہ اور سیکریٹری خارجہ محنت کریں تو پورے ملک میں ان سے زیادہ معلومات رکھنے والا شخص اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ہندوستان ایک بہت بڑی جمہوریت ہے لیکن وہاں بھی فوج کا سیاست میں عمل دخل ہے۔ مثال کے طور پر جب میں نئی دہلی گیا تو ہندوستانی حکومت کے ایک نہایت اہم نمائندے نے مجھ سے کہا کہ ہم نے سیاچن پر جو فارمولا بنایا وہ قابل عمل ہے۔ میں بہت خوش تھا کہ سیاچن پر ایک معاہدہ طے ہونے والا تھا۔ لیکن بعد میں ہندوستانی فوج کے سربراہ جے جے سنگھ نے اس فارمولے کو، جس سے ہندوستانی حکومت بھی متفق تھی، مسترد کردیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستانی وزیراعظم سیاچن کو ”امن کے پہاڑ“ میں تبدیل کرنے کی بات کررہے تھے۔ من موہن سنگھ جانتے تھے کہ کیا ہورہا تھا، میں جانتا تھا کہ کیا ہورہا تھا لیکن جے جے سنگھ نے بغیرکسی وجہ کے اسے مسترد کردیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں بھی سیاست میں فوج اورانٹیلی جنس ایجنسیوں کا ایک بہت بڑا کردار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وزیرخارجہ کیا کرسکتا ہے۔ دفتر خارجہ بہت اہم ادارہ ہے۔ کئی معاملات پر میرا اور سیکریٹری خارجہ کا موقف ایک تھا لیکن ہندوستان پر میرا موقف مختلف تھا۔ جنرل مشرف نے مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان پر آپ کا کیا موقف ہے تو میں نے ان سے کہ جناب صدر! آپ کو وقت کے ساتھ معلوم ہوجائے گا۔

بعدازاں وہی مشرف جس نے کارگل آپریشن کیا اور جسے ہندوستان گالیاں دیتا تھا، اسے آگرہ بلایا گیا، نہروالی حویلی کا پتا لگایا گیا، ہندوستانی میڈیا پاگل ہوا جارہا تھا کہ دہلی کا بچہ واپس دہلی آگیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی وجہ تو تھی جس کی بنا پر انہیں ہندوستان بلایا گیا۔

جب میں وزیرخارجہ بنا تو کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ میں جلد ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا لیکن میں جانے کے لیے نہیں آیا تھا۔

میں نے سفارت کاروں کی کانفرنسوں میں یہ دیکھا کہ جو لوگ چپ رہا کرتے تھے اور جو میرے خیالات سے اتفاق کرتے تھے، وہ بھی اب بولنے لگے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ بولیں اور آپ کی بات میں وزن ہو تو آئی ایس آئی بھی دفتر خارجہ کے موقف کو نظرانداز نہیں کرسکتی۔ خارجہ پالیسی کا زوال اس وقت شروع ہوا جب سوویت یونین نے افغانستان میں مداخلت کی۔ اس روز امریکہ نے فیصلہ کیا کہ وہ اب جنگ نہیں کریں گے بلکہ سوویت یونین کے خلاف ایک خفیہ جنگ لڑیں گے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور سیکریٹری آف سٹیٹ کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس بات کا علم صرف سی آئی اے کو تھا جس نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ جب سی آئی اے کا سربراہ یہاں آتا تھا تو وہ وزیرخارجہ سے نہیں بلکہ آئی ایس آئی سے ملتا تھا۔ یہ وہ دن تھا جب خارجہ پالیسی کا زوال شروع ہوا۔ لیکن اس دوران بھی دفتر خارجہ اپنا کردار ادا کرتا رہا تھا۔

شمشاد احمد (سابق سیکریٹری خارجہ پاکستان)

سوال بہت اچھا ہے، اور اکثر ذہنوں میں یہی سوال ہوتا ہے۔ کچھ ماہ قبل کراچی کے ایک میگزین نے مجھ سے رابطہ کیا کہ اور مجھ سے کہا کہ آپ ہمارے میگزین کا سرورق لکھیں جس کا عنوان ہوگا ''ہماری خارجہ پالیسی کون چلاتا ہے''۔ انہوں نے مجھے ایک اوپنر دیا کہ جس ملک کا وزیر خارجہ نہ ہو تو کیا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ملک خارجہ پالیسی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جب میں نے عنوان لکھا تو میں نے اس میں کہا کہ پاکستان کا کوئی وزیر خارجہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خارجہ پالیسی کو اہمیت نہیں دیتا، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پاکستان خارجہ پالیسی کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، اس کی وجہ میں نے یہ بتائی کہ ہمارے ہاں خارجہ پالیسی میں ذاتی مفادات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ میں نے اس شعبے میں چالیس سال کا عرصہ گزارا ہے میں اس تجربے کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ summit ڈپلومیسی میں میٹنگ سے پہلے یا میٹنگ کے بعد ایک ون آن ون میٹنگ ہوتی ہے اور اس میں سے پیشہ ورانہ افراد کو نکال دیا جاتا ہے۔ انڈیا کے سربراہان حکومت کی بھی ایک ون آن ون میٹنگ ہوتی ہے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو تمام تفصیلات قلم بند کرے، اور میرا خیال ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ لیکن جہاں ایسا شخص موجود نہیں ہوتا تو ان کا حکمران اتنی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص ہوتا ہے کہ وہ باہر آکر تمام پیشہ ورانہ افراد کو تمام تفصیلات سے آگاہ کردیتا ہے کہ انہوں نے یہ کہا اور میں نے یہ کہا، اور سب کچھ ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ ہمارے ہاں آج تک جتنی بھی ون آن ون میٹنگ ہوئی ہیں ان میں ہمیں شامل نہیں کیا گیا اور ہمیں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ میٹنگ کے دوران کیا کہا گیا اور کیا نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ لاہور میں واجپائی کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ جس وقت واجپائی نے بارڈر کراس کیا تو دونوں وزرائے اعظم کے درمیان بارڈر پر موجود وی آئی پی روم میں سات منٹ کی ایک ون آن ون میٹنگ ہوئی جس میں میں بھی موجود تھا۔ دونوں وزرائے اعظم پسینے میں شرابور اور گھبرائے ہوئے تھے۔ اس میٹنگ کے دوران دونوں وزیراعظم کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی لہٰذا میرے پاس ریکارڈ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ تاہم بعدازاں وزیراعظم نواز شریف اور وزیراعظم واجپائی کے درمیان ایک ون آن ون ملاقات ہوئی جس کا کوئی ریکارڈ ہی نہیں۔ میں اس وقت نیویارک جاچکا تھا اور مجھے تار آیا کہ کیا اس میٹنگ کا کوئی ریکارڈ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں اور نہ ہی وزیراعظم نے مجھے اس کے بارے میں کچھ بتایا ہے۔ یہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب ملکوں کے سربراہان ملک کے اہم ترین معاملات پر گفتگو کرتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمران ان لمحات کو ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ 4 جولائی

> ہماری خارجہ پالیسی حکمرانوں کے لیے بہت اہم ہے، لیکن جب حکمران اپنے ذاتی مفادات کو اہمیت دیں تو اس کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

کو کارگل پر میٹنگ ہوئی جس میں سے ہمیں نکال دیا گیا۔ بلکہ مجھے مرکزی میٹنگ میں بھی شامل نہیں کیا گیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ بلیئر ہاؤس میں ہونے والی میٹنگ سے پہلے، جیسا کہ سٹروب ٹیلبٹ اور بروس رائڈل نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہم نے صدر کلنٹن کو کہا کہ آپ نے نواز شریف کو دباؤ میں لانا ہے اور اس دوران اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ وہاں شمشاد موجود نہ ہو۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ابتدائی گفتگو ہوچکی تھی جس کے بعد صدر کلنٹن نے کہ اب ون آن ون میٹنگ کرتے ہیں۔ سرتاج عزیز سمیت دیگر افراد وہاں سے اٹھ کر چلے گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا اور دوسری طرف بروس رائڈل بیٹھا تھا۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ صدر کلنٹن گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔ انہوں نواز شریف کی طرف دیکھ کر کہا وزیراعظم صاحب میرا خیال میں یہ ون آن ون میٹنگ تھی۔ میں سمجھ گیا کہ ان کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں نے ان سے کہ جناب میں یہاں نوٹس لینے کے لیے بیٹھا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ون آن ون میٹنگ ہے، نوٹس لینے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے لیے بروس ہی کافی ہے۔ ہمارے وزیراعظم خاموش رہے، میں نے کاغذات ان کے حوالے کیے اور انہیں بتایا کہ اگر کوئی مشکل ہو تو باہر آکر مجھ سے پوچھ لیجیے گا۔ تو مرکزی میٹنگ ہی ون آن ون بن گئی جس کا آج تک کوئی ریکارڈ نہیں مل سکا، کیونکہ نواز شریف نوٹس نہیں لے سکتے تھے۔ اس کا ریکارڈ صرف بروس رائڈل سے ملتا ہے جو یک طرفہ ہے۔ البتہ اس کے بعد ایک ون آن ون میٹنگ ہوئی جس کے بعد اخباروں میں یہ باتیں آئیں کہ وزیراعظم یہ سوچ کر آئے تھے کہ ان کی چھٹی ہونے والی ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لائے تھے اور مدد مانگ رہے تھے۔

زرداری صاحب نے بھی اپنے وزرائے خارجہ بنائے اور وہ ایسے شخص، شاہ محمود قریشی کو وزیر خارجہ بنا کر پچھتائے جس نے خود کو زیادہ نمایاں کیا اور ہیلری کلنٹن کے ساتھ تعلقات بنالیے، اور یہ بات زرداری صاحب کو پسند نہیں آئی۔ دوسرے سیاستدان ان سب باتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ حنا ربانی کھر بھی ایک لحاظ سے ہائی پروفائل ثابت ہوئیں۔ یہ سیاستدانوں کے لیے کوئی اچھا تجربہ نہیں تھا۔ تو جب نواز شریف وزیراعظم بنے تو انہوں نے سوچا کہ ساری شہرت تو وزیر خارجہ مل جاتی ہے لہٰذا انہوں نے وزیر خارجہ نہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اور چونکہ انہوں نے اکثر اپنے اہم منصب کے ساتھ ذاتی باتیں کرنی ہوتی ہیں، ذاتی احسانات کی باتیں کرنی ہوتی ہیں اس لیے وہ اس میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کی سوچ میں خرابی ہوتی ہے، سب ہی محبّ وطن پاکستانی ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی حکمرانوں کے لیے بہت اہم ہے، لیکن جب حکمران اپنے ذاتی مفادات کو اہمیت دیں تو اس کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اگر آپ بڑے اور اہم فیصلے سعودی عرب یا امریکہ کے اشارے پر کریں تو یہ کہاں کی خارجہ پالیسی ہے۔ ابھی یہاں پوچھا گیا کہ خارجہ پالیسی کون چلاتا ہے؟ خارجہ پالیسی یقیناً حکومت چلاتی ہے لیکن اس میں فوج کا عمل دخل بڑھ گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے، وہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں خلاء پیدا ہوجائے تو اس کے آس پاس جو بھی منظم طاقت ہوگی، اہلیت کے حوالے سے یا سٹریٹیجک وژن کے حوالے سے، تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس میں جذب ہوجائے گی، کیونکہ پاکستان کا جغرافیائی اور سیاسی محل وقوع ایسا نہیں کہ فوج جیسا ادارہ اسے پانی کی لہروں پر تیرنے کے لیے چھوڑ دے گا۔ کیونکہ حکمرانوں میں نہ تو بڑا فیصلہ کرنے کی اہلیت ہے اور نہ جرأت، سوائے ایک شخص ذوالفقار علی بھٹو کے۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کی بہت سے میٹنگ کی کوریج کی ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود کرتے تھے، وہ خارجہ پالیسی خود چلاتے تھے، ان میں ایک وژن تھا، اور وہ ایک ذہین شخص تھے۔ اس وقت کسی کو بھی ان کے معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہیں تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے پی این اے کی تحریک کے معاملے پر خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جہاں حکمرانیت نہیں ہوگی، جہاں خلاء ہوگا تو اس خلاء کو کوئی نہ کوئی تو پر کرے گا، اور فوج کا کردار جغرافیائی اور سیاسی

لحاظ سے انڈیا میں بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا یہاں ہے۔ بے نظیر اور راجیو گاندھی کے درمیان سیاچن پر فیصلہ ہو چکا تھا لیکن وہاں کی فوج نے اجازت نہیں دی، حالانکہ وہاں کئی طاقتور حکومتیں بنتی رہی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سٹریٹیجک معاملات میں فوج کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے، اور پاکستان میں اس کا کردار ہندوستان سے زیادہ ہے کیونکہ ہمارا جغرافیائی محل وقوع بہت حساس ہے۔ ہمیں ایک ایسے خطے میں بیٹھے ہیں جہاں ہمیں اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ ہم اتنے اہم معاملات حکمرانوں کے اوپر نہیں چھوڑ سکتے۔ چارلز ڈی گال نے صحیح کہا تھا کہ سیاست ایک ایسا خطرناک کھیل ہے کہ اسے صرف سیاستدانوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

غازی صلاح الدین (معروف صحافی و تجزیہ نگار)

اب میں دعوت دوں گا زاہد حسین صاحب کو، جنہوں نے قومی سلامتی کے حوالے سے دو کتابیں لکھی ہیں، اور یہ ملک کے ان چند کالم نگاروں اور صحافیوں میں سے ہیں جو چیزوں کو سمجھتے ہیں، ان پر غور کرتے ہیں۔ میری ان سے درخواست ہے کہ وہ ہمارے سابق وزیر خارجہ اور سابق سیکریٹری خارجہ کی گفتگو کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

زاہد حسین (معروف صحافی)

میں نے کبھی دفتر خارجہ میں کبھی خدمات انجام تو نہیں دیں لیکن میں نے بہت سی چیزوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ میں نے اس ملک میں ایک بہت عجیب بات یہ دیکھی کہ گزشتہ سالوں میں سوائے ذوالفقار علی بھٹو کے بہترین وزرائے خارجہ اور وزرائے اعظم کا تعلق سول حکومتوں کی بجائے فوجی حکومتوں سے رہا ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب فوج اقتدار میں آتی ہے تو وہ ہر چیز پر قبضہ کر لیتی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس دور میں مضبوط ترین وزرائے خارجہ رہے ہیں جیسے کہ صاحبزادہ یعقوب اور آغا شاہی۔ اس زمانے میں میرا وزارت خارجہ میں آنا جانا رہتا تھا تو میں نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ کہیں زیادہ بااعتماد تھے۔ جنرل مشرف کی فوجی حکومت بہت مضبوط تھی۔ اس دور میں تین سیکریٹری خارجہ انعام الحق، ریاض کھوکھر اور ریاض محمد خان نے خدمات انجام دیں۔ 2002ء میں کولن پاول کے ساتھ جنرل مشرف کی ایک میٹنگ میں میں نے خود دیکھا کہ انعام الحق نے جنرل مشرف کو ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف لے جا کر کچھ سمجھایا۔ میں نے ایسا سویلین دور حکومت میں نہیں دیکھا۔ میں شمشاد صاحب کی بات کی تائید کروں گا کہ سیاستدانوں میں خود اعتمادی کی کمی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ تین چار شعبے ایسے ہیں جو فوج کے بغیر نہیں چل سکتے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ خامی ہمارے سویلین حکمرانوں میں ہے، جب یہ لوگ آتے ہیں تو نہ ان کے پاس کوئی وژن یا پالیسی نہیں ہوتی۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت کے ایک سیکریٹری خارجہ سے میری دوستی رہی ہے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا، جب میں بات کرتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ تم بابو لوگ کیا جانتے ہو، میں بے نظیر سکول آف انٹرنیشنل افیئرز سے پڑھا ہوں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہاں وزارت خارجہ کو نظر انداز کیا گیا جس کے نتیجے میں فوج کے لیے محدود راہ ہموار ہوگئی۔ اگر آپ اپنے سول اداروں کو مضبوط نہیں کرتے اور اور آپ اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کوئی آپ پر غالب آجائے گا تو پھر خارجہ پالیسی تو دور، آپ ملک بھی نہیں چلا سکتے۔ گزشتہ عرصے میں ایک عجیب سی بات دیکھنے میں آئی کہ ہر روز ایک نیا وزیر خارجہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک دن پتا چلتا ہے کہ سرتاج عزیز صاحب پاکستان کے دورے پر آئے کسی مہمان سے بات چیت کر رہے ہیں، دوسرے دن معلوم ہوتا ہے کہ فاطمی صاحب ان کے ساتھ گئے ہوئے ہیں، تیسرے دن معلوم ہوتا ہے کہ شہباز شریف بھی وزیر خارجہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اور چوتھا فریق جی ایچ کیو ہے جو یہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ جب اس طرح سے حکومت چلائیں گے تو آپ کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ تمام فیصلے فوج کرتی ہے۔ جب خارجہ پالیسی مختلف لوگ چلاتے ہیں تو اس میں بہت سے ذاتی مفادات شامل ہو جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں مجھے کسی نے قصہ سنایا کہ جب شہباز شریف ہندوستان گئے تو وہ ملک کی بجائے اپنے خاندان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اسی طرح جب میں نے کسی سے پوچھا کہ جب شہباز شریف سعودی عرب گئے تو وہاں کیا ہوا تھا، تو بتایا گیا کہ شہباز شریف صاحب کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ ذاتی طور پر ایک پیغام دے سکیں۔ اگر ایسا تھا تو پھر سرتاج عزیز صاحب اور فوج کے چیف آف جنرل سٹاف کو ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس دور حکومت میں خارجہ پالیسی کے حوالے سے جو بدنظمی دیکھنے میں آئی ہے اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ ہم سب بہت خوش ہیں کہ پارلیمنٹ نے قرارداد منظور کر لی لیکن میرا نقطہ نظر اس سے تھوڑا مختلف ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ پارلیمنٹ کسی عمل کا حصہ بنے لیکن سب ضروری چیز یہ ہے کہ یہ استحقاق حکومت کا ہے کہ وہ ایک پالیسی تشکیل دے۔ پارلیمنٹ پالیسی نہیں بناتی، پارلیمنٹ اس پر بحث کر سکتی ہے، اس پر اعتراض کر سکتی ہے لیکن پالیسی حکومت کی جانب سے آنی چاہیے۔ ہم نے ایک دستبرداری کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ پچھلے دنوں جب پارلیمنٹ میں یمن کے مسئلے پر تین روز تک جاری رہنے والی بحث کے دوران خواجہ آصف، جو اس روز وزیر خارجہ کے فرائض انجام دے رہے تھے، نے یہ نہیں بتایا کہ حکومت کا اپنا موقف کیا ہے۔ انہوں نے بس ایک فہرست پیش کر دی کہ سعودی عرب کے یہ مطالبات ہیں، آپ اس پر بحث کیجیے۔ اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملا کہ حکومت کی اپنی پالیسی کیا ہے یا حکومت اس پر سوچتی کیا ہے۔ اجلاس کے اختتام پر قرارداد بھی اسحاق ڈار صاحب نے پیش کی حالانکہ وہاں سرتاج عزیز موجود تھے۔

علاوہ ازیں آپ ہر معاملے میں فوج کو شامل کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر جب یمن کے معاملے پر ہر ہفتے پانچ اجلاس ہوتے ہیں جس میں چیف آف آرمی سٹاف اور تین اور جنرل بیٹھے ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی کابینہ کو اعتماد میں لیا؟ گزشتہ دنوں پی ایم ایل (ن) کے ایک سینئر رہنما سے میری بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ دو سال سے ان کی کوئی میٹنگ نہیں ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا پارلیمنٹ کے اجلاس سے پہلے اس مسئلے پر آپ سے کوئی بات ہوئی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات کو چھوڑیں اس پر تو پارلیمانی کمیٹی کا بھی کوئی اجلاس نہیں ہوا تھا۔ اجلاس کے دوران پی ایم ایل (ن) کے اراکین کی باتوں سے ایسا لگتا تھا کوئی ادھر کی بات کر رہا تھا اور کوئی اُدھر کی۔ اب مسئلہ یہ آتا ہے کہ فوج کے دائرہ اختیار میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر یمن کے مسئلے پر فوج سے کہا گیا کہ آپ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔ انہوں نے کہا نہیں آپ کوئی فیصلہ کریں، یوں دونوں کے درمیان پنگ پانگ کا کھیل جاری رہا۔ نتیجتاً انہوں نے کہا کہ اس پر ایک مشترکہ اجلاس بلا لیتے ہیں۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ معاملات کو ذاتی مفادات کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، مثال کے طور پر آپ نے سعودی عرب کو نجی طور پر اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ شاہ سلیمان نے جب پہلے نواز شریف کو فون کیا تو انہوں نے بجائے یہ کہنے کے کہ ہم اس پر غور کریں گے، کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کا مطلب سعودی عرب نے یہ نکالا کہ شاید آپ نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سعودی عرب کا محکمہ دفاع کا ترجمان اپنی ہر پریس کانفرنس میں کہتا رہا کہ پاکستان نے اپنی فوج بھیجنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ پارلیمنٹ کی قرارداد کے تین دن بعد وزیر اعظم کا بیان آیا کہ غیر جانبداری کا مطلب یہ تھا اور یہ نہیں تھا۔ اور جب آخری وفد سعودی عرب گیا تو آپ نے معذرت خواہانہ رویہ اپنایا۔ پاکستان میں اس مسئلے پر تقسیم پیدا ہو چکی ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں آپ اندرونی طور پر حل کرتے ہیں۔ میں جب اسلام آباد سے آ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ہر چوتھی پانچویں بس میں ایک بینر لگا تھا جس پر ''تحفظ حرمین شریفین'' لکھا تھا، یعنی آپ کی بوکھلاہٹ کی وجہ سے یہاں ایک اور لابی بن گئی ہے۔ جس میں حکومت کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی۔

زہرا یوسف (چیئرپرسن ایچ آر سی پی)

میرا نقطہ نظر بالکل مختلف ہے کیونکہ میں خارجہ پالیسی کی ماہر نہیں ہوں۔ میرے خیال میں خارجہ پالیسی ایک ایسا موضوع ہے جسے ہم نے نظرانداز کر رکھا ہے اور اس کا ہمارے بنیادی حقوق سے گہرا تعلق ہے۔ زیادہ تر شہری یہ سمجھتے ہیں کہ خارجہ پالیسی حکومت کی ذمہ داری اور حکومت کا شعبہ ہے۔ لیکن اگر ہم پاکستان کی تاریخ دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اس نے پاکستان کے شہریوں کے حقوق کو بہت متاثر کیا ہے۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ خارجہ پالیسی میں رازداری کا کلچر رہا ہے۔ عوام کو یہ معلوم ہی نہیں کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ موجود ہے جس کے تحت وزیر اعظم یہ سمجھتے ہیں کہ فوج کو یمن بھیجنا چاہئے۔ اسی طرح جب پاکستان جنرل ضیاء الحق کے دور میں افغان جنگ میں شامل ہوا اس وقت بھی ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم امریکہ کے کہنے پر اس جنگ میں کیوں شامل ہو رہے ہیں۔ اور اس کے نتائج ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی تاریخ میں دہشت گردی کا سب سے پہلا بڑا حملہ، کم از کم کراچی میں، 1980ء کے اوائل میں بوری بازار میں ہوا تھا جس میں کئی لوگ جاں بحق ہوئے تھے۔ اس وقت یہ شبہ تھا کہ اس حملے میں افغانستان کی خفیہ ایجنسیاں ملوث تھیں۔ اس واقعے کے حوالے سے جنرل ضیاء نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا تھا کہ یہ تو محض ایک ٹریلر ہے، صورتحال اس سے بھی بدتر ہونے والی ہے۔ انہوں نے تو اپنے فائدے کے لیے امریکہ کی جنگ افغانستان میں لڑی، مجاہدین پیدا کیے اور ہمارے پڑوس میں ایک ایسی حکومت بنائی جس کا اثر ہم آج تک پاکستان میں دیکھ رہے ہیں۔ ہم آج جس طالبانائزیشن کی بات کرتے ہیں اس کی شروعات تو ہماری افغان پالیسی سے ہوئی تھی۔ جہاں تک یمن کا تعلق ہے، ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، اور یہ نہ سمجھا جائے کہ خارجہ پالیسی کا انسانی حقوق سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو ماہرین کا معاملہ ہے، کیونکہ اس کے اثرات پاکستان پر پڑیں گے۔ اس حوالے سے سب سے بڑی تشویش یہ ہے کہ اس کے باعث یہاں پر فرقہ واریت بڑھنے کا اندیشہ ہے جس کی ہم ہر سطح پر مخالفت کرتے ہیں۔ میری نظر میں اس معاملے کو انسانی حقوق کے تناظر میں بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

غازی صلاح الدین (معروف صحافی و تجزیہ نگار)

میرے خیال میں ہمیں اپنے ''مومنٹ آف ٹروتھ'' کا فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ ہمارا مستقبل اس پر منحصر ہے۔ ہماری تاریخ میں کئی ''مومنٹ آف ٹروتھ'' آئے، جیسے کہ جنرل ضیاء نے افغان جہاد میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا، جنرل مشرف نے نائن الیون کے بعد جو پالیسی اپنائی اور اب جو یمن میں فوج بھیجی جا رہی ہے یا نہیں بھیجی جا رہی، تو میرا تمام مقررین سے یہ سوال ہے کہ یہ جو مومنٹس آف ٹروتھ آتے ہیں کیا ان میں حکومت تنہا کوئی فیصلہ کر سکتی ہے۔

خورشید محمود قصوری (سابق وزیر خارجہ)

اس حوالے سے میرا یہ موقف ہے کہ سچ کی وضاحت کرنی ہوتی ہے۔ ایک مومنٹ آف ٹروتھ یہ تھا کہ جب پاکستان بنا، جیسا کہ ہم اپنے بڑوں سے سنتے آئے ہیں، تو کانگریس کی قیادت یہ کہتی تھی کہ یہ ملک کچھ دن کا مہمان ہے، یہ ختم ہو جائے گا، گھٹنوں پر آ جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کرو۔ اسی طرح ہمیں تاریخ میں جانا ہوگا کہ کیا قائداعظم واقعی ایسا پاکستان چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ متحدہ پنجاب اور متحدہ بنگال national characterisitic ہیں، وہ بھی ایک مومنٹ آف ٹروتھ تھا، اسے کس نے سبوتاژ کیا؟ جب کابینہ مشن پلان آیا تو اسے کس نے سبوتاژ کیا؟ مولانا ابوالکلام آزاد اور

> خارجہ پالیسی ایک ایسا موضوع ہے جسے ہم نے نظرانداز کر رکھا ہے اور اس کا ہمارے بنیادی حقوق سے گہرا تعلق ہے۔

جسونت سنگھ کہتے ہیں کہ قائداعظم اس کے ذمہ دار نہیں تھے۔ اور جب پاکستان بن گیا تو پہلا مومنٹ آف ٹروتھ یہ تھا کہ ہمیں یہ نوید ملی کہ حسینی والا ہیڈ ورکس سے آپ کا پانی بند کر دیا گیا ہے۔ اس وقت پنجاب اور سندھ کی 80 فیصد دیہی آبادی زراعت سے وابستہ تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ لیاقت علی خان نے مکا لہرایا تھا کیونکہ ہندوستان نے کہا تھا کہ آپ کا پانی بند کر دیں گے تاکہ آپ پیاس سے مر جائیں، یہ بھی ایک مومنٹ آف ٹروتھ تھا۔ اس کا ہم کیا جواب دیتے؟ جواب یہ آیا کہ ہمیں ایک مضبوط فوج کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ مضبوط فوج کہاں سے آتی؟ تقسیم کے بعد ملنے والے اثاثے اتنے محدود تھے کہ مہاتما گاندھی کو مرن بھرت پر جانا پڑا کہ اس ریاست کو اس کے اثاثے دے دو، جس پر نتھو رام گوڈسے نے انہیں گولی مار دی، لیکن کانگریس کی قیادت پاکستان کو اثاثے دینے پر تیار نہیں تھی۔ تو فیصلہ ہوا کہ یا مکّوں سے ملیں گے یا واشنگٹن سے۔ اور یہ بڑی مشہور بات تھی کہ تہران میں پاکستان کے سفیر راجہ غضنفر علی خان کو کہا گیا کہ وہ روسی سفیر سے دعوت نامے کی بات کریں۔ وہ دعوت نامہ مل گیا اور اسے واشنگٹن جانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ میرے والد کے بہت سے دوست کافی لبرل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ لیاقت علی خان نے بہت غلط فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میں نے جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ لیاقت علی خان نے صورتحال کا بڑی تحمل مزاجی سے تجزیہ کیا تھا، انہیں معلوم تھا کہ ہمیں روس سے نہ تو وہ ہتھیار ملیں گے اور نہ پیسے جو امریکہ بہادر دے سکتا ہے۔ ان کے لیے مومنٹ آف ٹروتھ کوئی اور تھا۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ آپ نے فوج رکھنی ہے، اور ایک ایسے ملک کے خلاف جو آپ سے چھ گنا بڑا ہے۔ جب میں وزیر خارجہ بنا اور میرا مومنٹ آف ٹروتھ آیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ میں نے دوطرفہ تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے لڑ مرجانا ہے۔ لیکن مجھے حقائق کا علم تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ہندوستان نے ہمارا پانی بند کیا تھا، اسی لیے میں نے اپنی کتاب کا نام رکھا ''Neither a hawk, nor a dove''۔ امن کبھی خواہش سے نہیں آتا۔ نقطہ یہ ہے کہ آپ کو توازن رکھنا پڑتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمارا بنیادی تضاد ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات ہیں، اگر یہ معمول پر آ جائیں تو وقت کے ساتھ حالات بہتر ہو جائیں گے اور سول ادارے مضبوط ہوں گے۔ لیکن میں حقیقت پسند آدمی ہوں، میں یہ جانتا تھا کہ ہندوستان ہماری خواہش پر امن قائم نہیں کرے گا۔ شائد آپ یہ سننا پسند نہیں کریں گے کہ میں ایک کمزور ملک کا وزیر خارجہ نہیں تھا۔ پاکستان اس وقت ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ اس کے لیے بی جے پی کا شکریہ کہ اگر وہ ایٹمی دھماکے نہ کرتی تو پاکستان کی کسی بھی حکومت میں ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ چونکہ ہماری معیشت بھی ٹھیک ہے اس لیے ہندوستان کے ساتھ امن قائم کیا جائے، اور ہم اس میں تقریباً کامیاب ہو گئے۔

شمشاد احمد (سابق سیکریٹری خارجہ)

جہاں تک مومنٹ آف ٹروتھ کا تعلق ہے، وہ آپ خود نہیں پیدا کرتے بلکہ وہ آپ کے سر پر گر پڑتے ہیں۔ اور یہ آپ کے لیے ایک چیلنج ہوتا ہے کہ آپ اس سے کس طرح نبرد آزما ہوتے ہیں۔ پاکستان کا وجود میں آنا بذات خود ایک مومنٹ آف ٹروتھ تھا کیونکہ جب ہم ایک آزاد ریاست کے طور پر وجود میں آئے تو ہم ایک نارمل ریاست نہیں تھے۔ ہم ایک ایسی ریاست تھے جسے دو دھڑ سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ ان دو دھڑوں کے درمیان محض تھوڑا بہت ذہنی ربط تھا۔ دنیا میں ایسی کوئی ریاست نہیں تھی۔ ہمارا سب سے بڑا چیلنج ہی یہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ذہنی ربط جسمانی علیحدگی کے دباؤ کا مقابلہ نہ کر سکا اور جب ہندوستان کو موقع ملا تو اس نے ان دونوں دھڑوں کو الگ کر دیا۔ اس کے بعد ہماری زندگی میں کئی مومنٹ آف ٹروتھ آئے۔ قصوری صاحب مومنٹ آف ٹروتھ کو کسی اور طرح سے دیکھتے ہیں کہ کس نے کیا فیصلہ کیا، میں اسے کسی اور طرح سے دیکھتا ہوں۔ ایک مومنٹ ٹروتھ 1979ء میں آیا جب جنرل ضیاء اقتدار میں آئے۔ بھٹو کے لیے بھی مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے بعد مومنٹ آف ٹروتھ آیا تھا لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔ وہ ہمارے لوگوں کے لیڈر ہیں لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے

کہ اگر وہ اس وقت مسئلے کو سیاسی طور پر حل کرتے تو آج ہم اس حال میں نہ ہوتے۔اسی طرح اگر آج یمن کے مسئلے پر اگر دفتر خارجہ کو یہ کہہ دیا جائے کہ وہ اس مسئلے کو حل کروائیں تو دفتر خارجہ میں اتنی اہلیت ہے کہ وہ اس مسئلے کو حل کرا سکتے ہیں، اس سے نواز شریف کا چیلنج بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن نواز شریف تمام فیصلے خود کرنا چاہتے ہیں۔اسی طرح جب ضیاء الحق نے بھٹو کو پھانسی دی تو اس کی دنیا بھر میں شدید مذمت کی گئی۔لیکن آناً فاناً اس کی تقدیر بدل گئی کیونکہ اسے افغانستان میں روس کے خلاف ایک کردار دینا تھا۔انہوں نے ہمارے ان مدرسوں کو استعمال کیا جو کئی صدیوں سے برصغیر میں اسلام کی ترویج کر رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے ہزاروں نوعمر بچوں کو جہادی بنا کر جنگ میں جھونک دیا۔یہ ہماری تقدیر کا ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ہمیں یہ کہا گیا کہ سوویت یونین ہمارے گرم پانیوں کی طرف آ رہا ہے اور ہماری سلامتی کو خطرہ ہے۔خیر جہادیوں نے وہ جنگ جیت لی لیکن ہمیں اس جنگ سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔اس جنگ کے بعد مشرقی یورپ آزاد ہو گیا، جمہوری ہو گیا، خوشحال ہو گیا لیکن ہم آج بھی اسی ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔ کلاشنکوف کلچر، منشیات، دہشت گردی اور لاکھوں افغان مہاجرین، یہ سب اسی جنگ کا نتیجہ ہیں۔اور ابھی یہ باب ختم نہیں ہوا تھا کہ ہم پر ایک اور مومنٹ آف ٹروتھ آن پڑا، اور وہ ہے مشرف دور میں نائن الیون کا واقعہ۔میں اس حوالے سے اپنے ذاتی تجربے سے آگاہ کرنا چاہوں گا۔میں 2000ء میں نیویارک میں پاکستانی سفیر کے طور پر موجود تھا۔ستمبر میں جنرل مشرف جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے نیویارک آئے۔جب انہوں نے اپنے ہم منصبوں سے ملاقات کی فہرست دیکھی، جو میں نے بنائی تھی، تو اس میں صدر کلنٹن کا نام نہیں تھا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ان کی کلنٹن سے کب ملاقات ہوگی۔میں نے جواب دیا کہ وہ آپ سے ملاقات نہیں کریں گے۔اس پر وہ چونک گئے۔میں نے انہیں بتایا کہ آپ کو یاد نہیں کہ مارچ میں جب وہ اسلام آباد آئے تھے تو انہوں نے کیمرے کے سامنے آپ سے مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔انہوں نے کہا کہ وہ صدر کلنٹن سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں، میں نے ان کا کلنٹن سے مصافحہ کرا دیا لیکن میں یہ دیکھ سکتا تھا کہ ان پر یہ دباؤ تھا کہ ان کی حکومت غیر آئینی تھی۔لیکن اس کے کچھ روز بعد نائن الیون کا واقع پیش آ گیا اور ان کی حکومت کو جواز مل گیا۔جنرل مشرف کو کولن پاول کی طرف سے کال آئی۔اس پانچ منٹ کی کال میں انہوں نے جنرل مشرف سے کہا کہ تم نے یہ کرنا ہے، اس پر جنرل مشرف نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔اس کے بعد انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔کچھ لوگ اختلاف کریں گے لیکن میں یہ کہوں گا کہ جو جنگ امریکہ نے افغانستان میں طالبان کے خلاف لڑنی تھی اسے مشرف کھینچ کر پاکستان میں لے آئے، کیونکہ وہ امریکی مفادات کے لیے ناگزیر بننا چاہتے تھے۔یوں انہوں نے اقتدار میں نو سال گزار لیے۔یہ ایک مومنٹ آف ٹروتھ تھا۔ اس وقت کا مومنٹ آف ٹروتھ یہ ہے کہ موجودہ اور اس سے پچھلی حکومت میں سٹریٹیجک وژن نہیں ہے۔میری امریکیوں سے اکثر بات ہوتی رہتی تھی وہ مشرف سے بہت متاثر تھے۔ان کے دیگر فوجی حکمرانوں کے بارے میں بھی یہی تاثرات تھے۔ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات اس وقت اچھے رہے ہیں جب ہمارے ہاں فوجی اور وہاں ری پبلیکنز کی حکومت تھی۔

> جس طرح ہمارے سول حکمران ملک میں فیصلے کرنے میں ناکام رہتے ہیں، امریکیوں سے ملاقات کے دوران بھی ان کی سوچ اپنی ذات سے منسلک مفادات سے آگے نہیں جاتی۔

اور جب بھی ہمارے امریکہ سے تعلقات خراب رہے ہیں اس وقت یہاں سول حکومت تھی اور وہاں ڈیموکریٹس کی۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس طرح ہمارے سول حکمران ملک میں فیصلے کرنے میں ناکام رہتے ہیں، امریکیوں سے ملاقات کے دوران بھی ان کی سوچ اپنی ذات سے منسلک مفادات سے آگے نہیں جاتی۔امریکہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ یہ ان سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔لیکن جب فوجی حکمران ان سے بات کرتے ہیں تو وہ فوری طور پر سمجھ جاتے ہیں۔لہٰذا مسئلہ مومنٹ آف ٹروتھ کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ اس سے کیسے نمٹنا ہے۔ابھی یہاں یمن کی بات ہو رہی تھی، میں اس حوالے سے کہنا چاہوں گا کہ یہ ہماری جنگ نہیں ہے۔ابھی زہرا صاحبہ نے انسانی حقوق کے حوالے سے درست بات کی۔انسانی حقوق تو قومی مفادات کا حصہ ہوتے ہیں۔خارجہ پالیسی کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ شمشاد صاحب، خارجہ پالیسی تبدیل ہونی چاہئے۔انہیں یہ نہیں معلوم کہ خارجہ پالیسی کوئی تحریری مسودہ نہیں اور نہ ہی آئین جیسا جوئی کتابچہ ہے کہ جس میں سے ایک آرٹیکل نکال کر دوسرا شامل کر دیا جائے۔خارجہ پالیسی صرف دو الفاظ پر مشتمل ہے، وہ ہیں ''قومی مفاد''۔ اگر آپ اپنے قومی مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں تو یہ خارجہ پالیسی ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر رہے تو یہ خارجہ پالیسی نہیں ہے۔ جب خارجہ پالیسی نہیں ہوگی، حکمرانیت نہیں ہوگی، قانون کی حکمرانی نہیں ہوگی تو انسانی حقوق کہاں سے آئیں گے، لوگوں کو انصاف کہاں سے ملے گا؟ انصاف کے بغیر تو حکمرانیت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔کسی بھی ریاست کا سماجی سمجھوتا انصاف کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔لیکن ہمارے ہاں انصاف کا کوئی تصور ہی نہیں، اور بدقسمتی یہ ہے کہ عدالتوں سے بھی انصاف نہیں ملتا۔ جب عدلیہ کی آزادی کے لیے جلوس نکلتے تھے تو میں خود ان میں شامل ہوتا تھا لیکن جب بعد میں جو عدلیہ کا کردار رہا مجھے اس پر بہت صدمہ ہوا۔ ہمارے بعد آزاد ہونے والی ریاستیں آج بہت بڑی معاشی طاقتیں بن چکی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کی قیادت مضبوط تھی اور ان میں ایک وژن تھا۔ہمارے حکمران تو کوئی فیصلہ ہی نہیں کر پاتے۔پارلیمنٹ کا کام فیصلے کرنا نہیں بلکہ قانون سازی کرنا ہے۔کسی بھی جمہوریت میں اے پی سیز کا کوئی وجود نہیں ہے۔میرے خیال میں یہ سلسلہ ضیاء الحق نے شروع کیا تھا جسے ہمارے تمام سیاستدانوں نے اپنا لیا ہے۔یعنی مک مکا کرنا ہو تو اے پی سی بلا لی جاتی ہے اور پارلیمنٹ سے ربڑ سٹیمپ لگوا لی جاتی ہے۔فیصلے اس طرح سے نہیں کیے جاتے۔ فیصلے حکومتیں کرتی ہیں، جنگ یا امن کا فیصلہ کرنا بھی حکومت کا استحقاق اور ذمہ داری ہے کیونکہ یہ عوام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ زاہد صاحب نے کہا کہ وزیر اعظم نے فون پر اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا، یقیناً ایسا ہوا ہوگا۔ہماری خارجہ پالیسی کے دو ایسے پہلو رہے ہیں جن میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ان میں سے ایک کشمیریوں کا حق خود ارادیت اور دوسرا یہ ہے کہ ہم نے اسلامی دنیا کے اتحاد کو مضبوط بنانا ہے اور اسے تقسیم نہیں کرنا۔ ہمارے آئین کا آرٹیکل 40 بھی یہی کہتا ہے۔ہماری ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ ہم عرب ممالک کے باہمی تنازعات میں غیر جانبدار رہے ہیں، ہم ایران عرب مسئلے پر بھی غیر جانبدار رہے ہیں۔تو انہوں نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ ہم سعودی عرب کا ساتھ دیں گے؟ میں اس مسئلے کو قانونی طور پر دیکھتا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ سعودی عرب نے جارحیت کا ارتکاب کیا ہے۔اقوام متحدہ کا آرٹیکل 42 اور 51 کہتا ہے کہ کسی بھی ریاست کو کسی دوسری ریاست کے خلاف طاقت کے استعمال اور انسدادی یا پیشگی کارروائی کا حق نہیں ہے ماسوائے اس کے کہ اقوام متحدہ ایسی کارروائی کی منظوری دے۔اگر آج یہ کہا جا رہا ہے کہ یمن کے اندرونی حالات کی وجہ سے سعودی عرب کی سلامتی کو خطرہ ہے تو کل انڈیا بھی یہ کہہ کر پاکستان پر حملہ کر سکتا ہے کہ پاکستان کے اندرونی حالات اس کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔بہر حال مجھے یقین ہے کہ فیصلہ یہ لوگ نہیں بلکہ ''منظم لوگ'' کریں گے۔ہمیں سعودی عرب کی مدد کرنی چاہئے لیکن اس کی کچھ حدود ہونی چاہئیں۔مثال کے طور پر چین ہمیشہ سے پاکستان کی مدد کرتا آیا ہے مگر وہ کبھی بھی ہماری کسی جنگ کا حصہ نہیں بنا۔لہٰذا ہمیں بھی یہی پالیسی اپنانی چاہئے۔

زاہد حسین (معروف صحافی)

ہر مومنٹ آف ٹروتھ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ آپ کس طرف کھڑے ہوتے ہیں۔لیکن فیصلہ ساز فیصلہ

قوم کے نقطۂ نظر کی بجائے اپنے نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ جب مشرقی پاکستان کا مسئلہ سامنے آیا تو اس وقت میں یونیورسٹی میں تھا۔ اس وقت جو فوجی آپریشن کے خلاف بات کرتا تھا اسے غدار قرار دے دیا جاتا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ کچھ صحافی جو مشرقی پاکستان سے واپس آئے تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ سب غلط ہے وہاں تو محبت کے زمزمے بہہ رہے ہیں۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ خاص موقعوں پر جو فیصلے کیے جاتے ہیں ان میں عوام کی خواہشات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ آپ نے درست کہا کہ ایسے فیصلے فوجی حکمرانوں کے دور میں ہی کیے جاتے رہے ہیں۔ ان کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوتا ہے کہ کونسی چیز قومی مفاد میں ہے کیونکہ وہ ایسے فیصلے عوام کو اعتماد میں لیے بغیر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر 1965ء کی جنگ اور 1979ء کی افغان جنگ سے متعلق عوام سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ اس وقت کے حکمرانوں نے یہ فیصلے اپنی ذاتی مفاد کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیے تھے۔ ان فیصلوں کا مقصد فوجی حکومت کو جائز ثابت کرنا تھا۔ یہ بات درست ہے کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد تو ایسا لگتا تھا کہ ضیاء الحق کی حکومت زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔ لیکن پھر افغان جنگ میں شامل ہونے کے بعد انہیں خاصی شہرت ملی۔ اور جہاں تک قومی مفاد کا تعلق ہے تو میرا یہ موقف ہے کہ ''قومی مفاد'' ایک ایسا لفظ ہے جسے آپ جیسے چاہیں استعمال کرسکتے ہیں۔ تمام فیصلے قوم کے مفاد میں ہی کیے جاتے ہیں مگر یہ بعد میں پتا چلتا ہے کہ یہ فیصلے قومی مفاد کے خلاف تھے۔ یہ بات درست ہے کہ یہاں پر زیادہ تر فوجی حکومتیں رہی ہیں لیکن ایک مومنٹ آف ٹروتھ 2008ء میں بھی آیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایک جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں ملک میں بہت بڑی تبدیلی آئی تھی۔ اس وقت لوگ یہ تصور کر رہے تھے کہ شاید ملک کی سیاست میں اب پختگی آنے لگی ہے۔ 90ء کی دہائی میں یہ ہوتا تھا کہ اگر ایک جماعت اقتدار میں آتی تھی تو دوسری جماعت فوج کے ہاتھوں استعمال ہوتی تھی۔ لیکن 2008ء میں جو تبدیلی آئی تھی اس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ تمام مسائل مل بیٹھ کر حل کیے جائیں گے اور وہ حالات پیدا نہیں کیے جائیں گے جن میں بیرونی مداخلت کا امکان ہو۔ لیکن میرا یہ سوال ہے کہ کیا ہم یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ صرف ووٹ ڈالنا ہی جمہوریت نہیں۔ جمہوریت یہ نہیں کہ ہر پانچ سال بعد آپ کو ووٹ ڈالنے کا حق دے دیا جائے۔ اصل جمہوریت تو اس وقت شروع ہوتی ہے جب ووٹ ڈالنے کے بعد حکومت وجود میں آتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے تاریخ سے یہ سبق نہیں سیکھا کہ اداروں کو مضبوط کیے بغیر جمہوریت مستحکم نہیں ہوگی۔ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کو اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کام کرنا ہوگا۔

زہرا یوسف (چیئرپرسن ایچ آر سی پی)

میرے خیال میں ایک مومنٹ آف ٹروتھ اس وقت آیا تھا جب 1971ء میں مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کی گئی تھی، جس کے نتیجے میں پاکستان بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بین الاقوامی برادری نے ظاہر کیا تھا کہ اخلاقی اقدار بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ جب بھٹو کی حکومت آئی تو اس کا جھکاؤ دانستہ طور پر یا مجبوراً عرب ممالک کی جانب تھا جس کے نتائج ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔ اس دور میں دینی مدرسے قائم ہوئے اور احمدیوں کو غیرمسلم قرار دیا گیا، تو یہ خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بھی ایک ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

دوسرا سیشن

بابر ایاز (ایچ آر سی پی کونسل ممبر)

اس سیشن میں گفتگو کے لیے ہمارے ساتھ افراسیاب خٹک موجود ہیں جو سینیٹر اور سٹوڈنٹ لیڈر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ عاصمہ جہانگیر ہیں، منیر ملک ہیں جو سپریم کورٹ بار کے صدر رہ چکے ہیں اور ججوں کی بحالی کی تحریک میں بھی اب کا

> ہمیں اُس وقت بھی ایک فیصلہ کن لمحے کا سامنا کرنا پڑا جب **1971ء** میں مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کی گئی تھی، جس کے نتیجے میں پاکستان بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بین الاقوامی برادری نے ظاہر کیا تھا کہ اخلاقی اقدار بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ جب بھٹو کی حکومت آئی تو اس کا جھکاؤ دانستہ طور پر یا مجبوراً عرب ممالک کی جانب تھا جس کے نتائج ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔

نمایاں کردار رہا ہے۔ اس کے علاوہ مس کرسٹین ہربرٹ ہیں جو لمز یونیورسٹی میں فلسفے کی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں لمز میں بلوچستان پر ایک مشاورت کا اہتمام کیا تھا لیکن ایسا نہیں ہوسکا تھا کیونکہ ان سے یہ حق چھین لیا گیا تھا۔

بنیادی طور پر نظم و نسق میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے ایک ہمارا عدالتی نظام ہے جس کا بہت سی چیزوں پر اثر پڑتا ہے۔ جب 2008ء میں عدلیہ بحالی کی تحریک چلی تو لوگوں میں یہ امید پیدا ہوئی تھی کہ آگے چل کر بہت سی اصلاحات آئیں گی اور عدلیہ عام آدمی کے مسائل کو حل کرے گی۔ لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس کا عام آدمی کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا۔ یوں عوام کو سستے اور فوری انصاف کا حق نہیں مل سکا۔ اسی حوالے سے اس سیشن میں بلوچستان کے مسائل پر بھی بحث کی جائے گی کیونکہ وہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں عروج پر ہیں اور عدلیہ نے لاپتا افراد کے حوالے سے کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔ اٹھارہویں ترمیم میں عدلیہ سے متعلق چند اصلاحات کی گئیں۔ میرا تمام مقررین سے یہ سوال ہے کہ اٹھارہویں ترمیم نے ہمیں کیا دیا اور انیسویں ترمیم نے ہم سے کیا چھین لیا، تو سب سے پہلے میں افراسیاب خٹک صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

افراسیاب خٹک

میں آپ کے سوال کا جواب ضرور دوں گا لیکن سب سے پہلے میں یہ چاہوں گا کہ صبح سے یہاں جو بحث ہو رہی ہے اس حوالے سے بنیادی مسئلے تک پہنچا جائے۔ میرے خیال مسائل کی بنیادی وجوہات کے بارے میں بات کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ میرے خیال میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہمارا ریاستی نظام ہے۔ ہماری ریاست ایک نام نہاد جمہوریہ ہے۔ اس کی بہت لمبی تاریخ ہے میں اس میں نہیں جاؤں گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ آئین میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ ایک پارلیمانی نظام حکومت ہے لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے ایک کارکن کی حیثیت سے میرا تجربہ یہ ہے کہ بظاہر تو آئین میں یہ لکھا ہے کہ فیصلے کون کرے گا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب پہلی قانون ساز اسمبلی توڑی گئی جس کے بعد سیاست میں سول بیوروکریسی کا عمل دخل بڑھ گیا۔ اس کے بعد 1958 میں ایوب خان نے مارشل لگا دیا۔ 1973ء کا آئین بھی اسی وجہ سے بن گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ہماری سول اور فوجی بیوروکریسی سیاسی طور پر بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی کیونکہ بنگال کی وجہ سے بہت بدنامی ہوئی تھی اور لوگ تحقیقات کا مطالبہ کر رہے تھے، اور اسی بنا پر حمود الرحمان کمیشن بھی بن گیا تھا۔ اس دوران سیاستدان آئین میں وفاقی اور پارلیمانی نظام لکھنے کے قابل ہوئے۔ لیکن اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ بھٹو کے خلاف جو سازشیں ہوئیں ان کی وجہ سے آئین چلا گیا۔ پھر ضیاء کے بعد کی ریاست بالکل نام نہاد جمہوریہ بن کر رہ گئی۔ میں حکومت میں بھی رہا ہوں اور حزب اختلاف میں بھی، اور اس دوران مجھے ریاست کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بات یہ ہے کہ مجھے دو مرتبہ بجٹ سے پہلے کی بحث میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت عبدالحفیظ شیخ وزیر خزانہ تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ ان تین شعبوں کے لیے کتنا بجٹ درکار ہے۔ ان تین شعبوں میں ڈیبٹ سروسنگ یعنی قرضوں کی ادائیگی، دفاع اور انتظامی امور شامل تھے۔ پہلے سال انہوں نے تخمینہ لگا کر بتایا کہ ان شعبوں کے لیے 80 فیصد بجٹ درکار تھا۔ دوسرے سال ان کا کہنا تھا کہ اس کے لیے 83 فیصد بجٹ درکار تھا۔ یعنی یہ بجٹ سے پہلے سے ہی طے شدہ ہے اس میں کوئی ردوبدل نہیں کرسکتا، یہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔

جہاں تک وزارت خارجہ کا تعلق ہے تو میں ایسے وزرائے اعظم کو جانتا ہوں جنہوں نے اپنی حکومت کے فیصلے ریڈیو پر سنے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جس کا حل

ہمیں ڈھونڈنا ہوگا۔ عدلیہ اور انتظامیہ جتنی بااختیار ہے وہ آپ سب جانتے ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اور میں نے تحقیق بھی کی ہے کہ جنرل مشرف کو ہٹانے کا بھی ایک فیصلہ ہوا تھا۔ کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جنرل مشرف کی ہندوستان سے متعلق بیک ڈور پالیسی قومی مفاد میں نہیں تھی۔ یہ مائنس ون فارمولے کہاں سے آتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہا گیا تھا کہ بھٹو کے بغیر پیپلز پارٹی بہت اچھی ہے۔ پھر کہا گیا کہ بے نظیر کے بغیر پیپلز پارٹی بہت اچھی ہے۔ آصف زرداری نے کہا کہ انڈیا کے ساتھ تجارت ہونی چاہئے۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ جمہوری نظام قائم رہنا چاہئے لیکن مائنس ون کے ساتھ۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ تصورات کہاں سے آتے ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ ریاست میں عدم توازن ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہم نے اٹھارہویں ترمیم میں کچھ فیصلے کیے لیکن آصف زرداری نے 14 اگست 2009ء کو اعلان کیا کہ وہ آرٹیکل 247 کے تحت پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے دائرہ کار کو فاٹا تک وسیع کرتے ہیں۔ لیکن اگلے روز اسٹیبلشمنٹ نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ امن و امان کی صورتحال اچھی نہیں ہے، اس سے اور زیادہ مسائل پیدا ہوں گے۔ اس اعلان کا نوٹیفیکیشن دو سال کے بعد جاری کیا گیا۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ ہم اٹھارہویں ترمیم کے ذریعے فاٹا میں تبدیلی بھی لائیں لیکن جب پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کا دائرہ کار فاٹا تک وسیع کرنے میں دو سال لگے تو پھر محض اصلاحات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اٹھارہویں ترمیم کے ذریعے اصلاحات تو ہوئیں لیکن یہ ناکافی تھیں۔

جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے تو اٹھارہوں ترمیم میں اس حوالے سے اصلاحات کی گئی تھیں۔ لیکن اس وقت افتخار چودھری نئے نئے بحال ہوئے تھے اور وہ بہت جارحانہ موڈ میں تھے۔ وہ تو پوری اٹھارہویں ترمیم کو ہی اڑا دینا چاہتے تھے۔ تو اس وقت یہ فیصلہ کیا گیا پوری اٹھارہویں ترمیم کو منسوخ کرنے کی بجائے افتخار چودھری کو راستہ دیا جائے۔ لہٰذا ججوں کی تقرری کا اختیار واپس چیف جسٹس کے پاس چلا گیا۔ لیکن میری یہ تجویز ہے کہ اگر ہم نے اس ریاست کو واقعی ایک جمہوریہ بنانا ہے تو اس کے لیے ہمیں ایک نیا میثاق جمہوریت بنانا ہوگا، جس میں سیاسی جماعتیں خود اپنے اندر اصلاحات لائیں، مثال کے طور پر وہ یہ فیصلہ کریں کہ اراکین پارلیمنٹ ترقیاتی بجٹ استعمال نہیں کریں گے، یہ سرکاری محکموں کا کام ہے۔ اس کے علاوہ الیکشن کمیشن کی نگرانی میں پارٹی انتخابات کروائے جائیں۔ اس کے علاوہ منتخب نمائندوں کو خارجہ پالیسی، داخلی پالیسی اور معاشی پالیسی بنانے کا اختیار ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا کیے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہم نے افغانستان میں تین جنگیں لڑیں، اس کے علاوہ ملک میں متعدد فوجی آپریشن کیے گئے۔ اگر یہی صورتحال رہی تو ملک کس طرف جائے گا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس ملک کو ایک حقیقی جمہوریہ بنایا جائے جس میں فیصلے کرتے وقت عوام کی خواہشات کا خیال رکھا جائے اور ادارے اپنی اپنی حدود میں رہ کر کام کریں۔ فاٹا کو آئینی حقوق دیے جائیں، اور میرا خیال ہے کہ گلگت بلتستان کو بھی صوبہ بنانے کا وقت آ گیا ہے۔

عاصمہ جہانگیر

(سابق صدر سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن)

پہلی بات تو میں یہ کہوں گی کہ اٹھارہویں ترمیم میں بہت سی اچھی چیزیں بھی ہیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔ میں یہ سمجھتی ہوں اور اس وقت بھی ہمارا یہ خیال تھا کہ اس میں وہ اصلاحات نہیں لائی گئیں جو لائی جانی چاہئے تھیں۔ مثال کہ طور پر اس میں آرٹیکل 62, 63 کو

> اٹھارہویں ترمیم میں بہت سی اچھی چیزیں بھی ہیں اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔ اس وقت بھی ہمارا یہ خیال تھا کہ اس میں وہ اصلاحات نہیں لائی گئیں جو لائی جانی چاہئے تھیں۔ مثال کہ طور پر اس میں آرٹیکل **62, 63** کو ویسے کا ویسے رہنے دیا گیا۔ اور جہاں تک اٹھارہویں اور انیسویں ترمیم میں ججوں کی تقرری کا تعلق ہے تو یہ طریقہ کار نہ ہی اٹھارہویں ترمیم کا برا ہے اور نہ ہی انیسویں ترمیم کا۔ مسئلہ ان ضوابط کا ہے جو کمیشن نے اپنے لیے بنائے ہیں۔ ان ضوابط کے مطابق صرف چیف جسٹس ہی نام تجویز کر سکتے ہیں۔ بقیہ پینل کے اراکین کوئی نام تجویز نہیں کر سکتے۔

ویسے کا ویسے رہنے دیا گیا۔ اور جہاں تک اٹھارہویں اور انیسویں ترمیم میں ججوں کی تقرری کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتی ہوں کہ طریقہ کار نہ ہی اٹھارہویں ترمیم کا برا ہے اور نہ ہی انیسویں ترمیم کا۔ مسئلہ ان ضوابط کا ہے جو کمیشن نے اپنے لیے بنائے ہیں۔ ان ضوابط کے مطابق صرف چیف جسٹس ہی نام تجویز کر سکتے ہیں۔ بقیہ پینل کے اراکین کوئی نام تجویز نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد ایک کیس آیا جس میں ایک حاضر جج صاحب کے سالے کو فائدہ پہنچانا تھا، اس کے تحت جب بلیک بال کا اختیار پارلیمانی کمیٹی سے لے لیا گیا تو اس معاملات اور خراب ہو گئے۔ عدلیہ کی تقرری کے حوالے سے کوئی مثالی فارمولا موجود نہیں ہے۔ اگرچہ میں عدلیہ پر بہت تنقید کرتی رہی ہوں لیکن میں آج ایک بات کہنا چاہوں گی کہ آج جو یہاں بات ہوئی کہ نظم ونسق میں خلا پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سیاستدان معاملات کو نظرانداز کر کے سارا بوجھ عدلیہ کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں۔ ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ جب عوامی نمائندے بندوقوں والوں سے ڈر جائیں، وزیراعظم بندوقوں والوں سے ڈر جائے تو آپ یہ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ سترہ نامزد افراد پورا بوجھ لے کر چل سکیں گے۔ مثال کے طور پر آپ نے فوجی عدالتیں بنا دیں اور اب عوام اس امید میں ہے کہ سپریم کورٹ انہیں ختم کر دے گی۔ اسی طرح پارلیمنٹ نے آرٹیکل 62, 63 کو برقرار رکھا اور اب وہ اس امید میں ہیں کہ سپریم کورٹ انہیں کسی طرح سے چھوٹ دے دے۔ اسی طرح پارلیمنٹ نے توہین مذہب کا قانون بنایا مگر آج تک نہ تو اسے واپس لیا گیا اور نہ ہی اس میں ترمیم کر کے اس کی شدت کو کم کیا گیا، اور یہ امید کی جاتی ہے کہ سپریم کورٹ کسی نہ کسی طریقے سے اس پر قابو پالے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ سپریم کورٹ کا کردار بہت متنازعہ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سپریم کورٹ نے نقصان پر قابو بھی پایا ہے۔ جہاں تک ماتحت عدلیہ کا تعلق ہے تو افراسیاب خٹک صاحب نے خود ہی اس بات کا جواب دے دیا ہے کہ آپ کے پاس بجٹ ہی نہیں ہے۔ عدالتوں کی حالت یہ ہے کہ انسداد دہشت گردی کی عدالت کرائے کے مکانوں میں ہے، وہاں سیکیورٹی کا کوئی انتظام نہیں۔ جج جس جگہ بیٹھے ہیں وہاں ان کے پاس غسل خانہ نہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ ججوں کے پاس کام اتنا زیادہ ہے کہ آپ ان سے یہ امید نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے ذہن کا استعمال اس طرح سے کریں گے جو ایک کیس کے لیے ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب معاشرے میں تشدد اتنا بڑھ جائے کہ وکیل جج کو مارنے کے لیے تیار بیٹھے ہوں اور دونوں فریقین اپنے ساتھ غنڈے لائے ہوں تو ایسی صورت میں جج اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکیں گے۔ مجھے تشویش رہتی ہے کہ کہیں یہ نظام منہدم نہ ہو جائے، کیونکہ اب ہجوم بہت طاقتور ہو چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔ اور ہمارے حکمرانوں یا اراکین پارلیمنٹ نے اتنے سالوں میں نہ تو عدالتی اصلاحات کی بات کی، نہ اس پر عملدرآمد کیا اور نہ ہی وہ کوئی ترمیم لائے۔ اس کے بجائے انہوں نے انسداد دہشت گردی ایکٹ بنا دیا، جب وہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا تو انہوں نے تحفظ پاکستان ایکٹ بنا دیا اور جب اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا تو انہوں نے فوجی عدالتیں بنا دیں۔ ایسا کر کے انہوں نے ظاہر کیا کہ ہم زوال کی جانب گامزن ہیں۔ ایسی صورتحال میں صرف ایک ادارے سے یہ امید کرنا کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر دے گا تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ میرے خیال میں سب سے بڑا مسئلہ نظم ونسق کا ہے۔ اور اس کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ وزیراعظم کے پاس اختیارات ہیں یا نہیں۔ اور اگر وہ

سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے پاس اختیارات نہیں ہیں تو پھر یہ معاملات درست نہیں ہوسکتے۔

منیراے ملک (معروف قانون دان)

1947ء میں جب انگریز یہاں سے چلا گیا تو ہمیں اس کی بہت سی چیزیں ورثے میں ملیں۔ہمیں اس کی فوج ورثے میں ملی، ہمیں اس کی سول سروسز ورثے میں ملیں، اور ہمیں اس کی عدلیہ ورثے میں ملی۔ 47ء سے پہلے یہ تینوں ادارے ایک مخصوص مفاد یعنی سامراجی مفاد کا تحفظ کرتے تھے۔اس وقت جج نتھو اور خیرے کے مقدمے کا فیصلہ تو کرسکتا تھا لیکن ان مقدمات کا نہیں جن میں سامراجی مفادات کو خطرہ ہوتا تھا۔حکمرانوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ جج صاحبان ایسے ہوں کہ وہ سامراجی مفادات کا تحفظ کریں۔ یہی حال سول سروسز اور فوج کا تھا۔ مائنڈ سیٹ یہ نہیں تھا کہ وہ عوام کے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ یہ مائنڈ سیٹ پاکستان کے ہر ادارے میں فروغ پاتا رہا۔ہمیں جو عدلیہ ورثے میں ملی وہ حکمران طبقے کے مفادات کا تحفظ کرتی تھی۔اور اس کی تقرریاں انتظامیہ کرتی تھی۔کم از کم الجہاد کیس سے پہلے اگر آپ 56ء، 62ء اور 73ء کا آئین دیکھیں تو اعلیٰ عدالتوں کی تقرریوں میں انتظامیہ کو برتری حاصل تھی۔عدلیہ کا مائنڈ سیٹ اس وقت تبدیل ہونا شروع ہوا جب جسٹس افضل میاں اور جسٹس سعید الزماں صدیقی نے کہا کہ آئین میں لکھا ہے کہ عدلیہ کی تقرریاں مشاورت سے کی جائیں گی، لہٰذا اس میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے۔تو سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے ذریعے، جسے الجہاد کیس کہتے ہیں، یہ قرار دیا گیا کہ آئین میں جو لکھا ہے کہ سپریم کورٹ کے جج کی تقرری مشاورت سے کی جائے گی اس کا مطلب بامقصد مشاورت ہے۔اور چونکہ عدالت کے لوگوں کی اکثریت یا تو باہر سے یا پھر ماتحت عدالتوں سے آتی ہے جنہیں ہائی کورٹ کے ججوں سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں جانتا، اس لیے تقرری کے اس عمل میں وہی سب سے بہتر مشورہ دے سکتے ہیں۔اس طرح ایک عدالتی فیصلے کے ذریعے یہ طے پایا کہ تقرری کے عمل میں چیف جسٹس کو برتری حاصل ہے اور انتظامیہ چیف جسٹس کی سفارش کو انٹیلی جنس رپورٹس یا اس صورت میں رد کرسکتی ہے کہ اس شخص کا کردار اچھا نہ ہو۔ جب اسی قانون پر اٹھارہویں ترمیم میں پارلیمنٹ میں بحث ہوئی تو میری رائے میں پارلیمنٹ نے صرف یہ سوچا کہ موجودہ عمل کو بہتر بنایا جائے جس کے تحت نامزدگیاں عدلیہ اور تقرریاں انتظامیہ کرتی ہے۔انہوں نے تقرری کے عمل میں اپنا کردار کم کر دیا۔انہوں نے پارلیمانی کمیٹی تو بنادی لیکن اسے دیگر پارلیمانی کمیٹیوں جیسے اختیارات حاصل نہیں ہیں جو آئین کے آرٹیکل 69 کے تحت ملتے ہیں۔اس کا نام تو بہت بڑا ہے، یعنی سپریم جوڈیشل کونسل، لیکن ایک تیسرے درجے کا سول جج بھی اس کی کارروائی کو روک سکتا ہے۔اٹھارہویں ترمیم پر بحث کے دوران رضا ربانی نے کہا تھا کہ تقرری کے عمل میں انتظامیہ کے مشاورتی اختیارات اس کمیٹی کو دے دیے گئے ہیں۔ میرے خیال میں بحث یہ ہونی چاہئے تھی کہ کیا اس عمل میں پارلیمنٹ کو برتری حاصل ہونی چاہئے، کیا اس پر پارلیمنٹ اور عدلیہ کے درمیان مشاورت ہونی چاہئے؟ میرے خیال میں اگر آپ کسی چیف جسٹس کو یہ اختیار دے دیں کہ صرف وہی نامزدگیاں کرسکتا ہے تو اگر چیف جسٹس بنیاد پرست نظریات رکھتا ہو تو وہ اپنے جیسے شخص کو ہی نامزد کرے گا۔میرے نزدیک جج بننے کے

1947ء میں جب انگریز یہاں سے چلا گیا تو ہمیں اس کی بہت سی چیزیں ورثے میں ملیں۔ہمیں اس کی فوج ورثے میں ملی، ہمیں اس کی سول سروسز ورثے میں ملیں، اور ہمیں اس کی عدلیہ ورثے میں ملی۔

لیے صرف یہ ضروری نہیں کہ وہ اچھا وکیل ہو۔میرے خیال میں یہ فیصلہ پارلیمنٹ کو کرنا چاہئے کہ کس قسم کے نظریات رکھنے والا شخص عدالت جائے گا۔ کیا وہ عوام دوست ہوگا، کیا وہ جاگیرداروں کا حامی ہوگا، کیا ہاری دوست ہوگا۔کیا پارلیمنٹ کو یہ دیکھنے کا حق نہیں کہ کتنے لیبر وکلاء بڑے عہدوں پر پہنچے ہیں؟ تو میرے خیال میں پارلیمنٹ نے اس حوالے سے اپنا کردار ادا نہیں کیا۔میرے نزدیک آج کے دور میں پارلیمانی کمیٹی بالکل بلا جواز ہے۔اب بھی ان کے لیے ایک فیصلے میں گنجائش بچتی ہے، غالباً وہ منیر حسین بھٹی والا کیس ہے جس میں سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ پارلیمنٹ اپنے معلومات کے مطابق یہ کہہ سکتی ہے کہ فلاں نامزد شدہ شخص کی تقرری کی جائے یا نہیں۔ اس کے علاوہ کسی بھی تقرری کے لیے چال چلن کا سرٹیفکیٹ ایک لازمی شرط ہے جس کا انحصار آئی ایس آئی، آئی بی اور ایم آئی کی رپورٹ پر ہوتا ہے۔اس سرٹیفکیٹ میں ایک کالم میں ''چال چلن'' لکھا ہوتا ہے اور اس کے آگے ایک کالم خالی ہوتا ہے۔اس میں بغیر کسی سپورٹنگ میٹیریل کے کچھ بھی لکھا جاسکتا ہے۔پارلیمانی کمیٹی نے بھی بغیر کسی تحقیق کے انہی رپورٹس پر انحصار کرتے ہوئے اس پر ٹھپہ لگا دیا۔میرے خیال میں اٹھارہویں ترمیم کے ذریعے تقرری کے عمل میں محض ظاہری تبدیلی آئی ہے۔اس کا واحد حل یہ ہے کہ بار ایسوسی ایشن، بار کونسل اور سول سوسائٹی مل کر اس بات کا تقاضہ کریں کہ جوڈیشل کمیشن کے جو تقرری سے متعلق ضوابط تشکیل دیے جانے ہیں انہیں بامقصد کیسے بنایا جائے۔

بابر ایاز (کونسل رکن ایچ آر سی پی)

اب میں لمز یونیورسٹی میں فلسفے کی پروفیسر کرسٹین کو دعوت دوں گا۔انہوں نے حالیہ دنوں یونیورسٹی میں بلوچستان پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا جسے منسوخ کر دیا گیا۔کرسٹین میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ کیسے کیا کیونکہ یہ ایک ریاست مخالف اقدام سمجھا جاتا ہے۔

کرسٹین ہربرٹ (ماہر تعلیم، لمز)

سب سے پہلے مجھے اور لمز کے طلباء کو مدعو کرنے کا بہت شکریہ۔ میں نے پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے بہت سے اجلاس منعقد کیے ہیں۔اور آخری سیمینار جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بلوچستان سے متعلق تھا۔اس سیمینار سے 24 گھنٹے پہلے ممکنہ طور پر آئی ایس آئی کے اہلکار یونیورسٹی آئے اور اسے منسوخ کرادیا۔ یہ تنسیخ کئی لحاظ سے دلچسپ ہے۔اس سے پہلے ہم نے احمدیوں کے حقوق پر ایک مشاورت کا انعقاد کیا تھا۔اور مجھ پر اور یونیورسٹی پر بہت دباؤ تھا کہ اس مشاورت کا انعقاد نہ کیا جائے۔لیکن اس کے باوجود ہم نے یہ اجلاس منعقد کیا۔اس کے علاوہ ہم نے اکیسویں ترمیم کے تحت قائم ہونے والی فوجی عدالتوں پر بھی ایک مشاورت کا انعقاد کیا تھا۔ بلوچستان سے متعلق سیمینار کی تیاری تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے کی گئی تھی۔لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔

میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ دراصل اس دن ہوا کیا تھا۔اس روز جو ہوا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے نزدیک انسانی حقوق کی کوئی اہمیت نہیں۔اس روز دو افراد آئے، جن کا تعلق غالباً آئی ایس آئی سے تھا، اور ایک کاغذ دکھایا۔انہوں نے نہ تو ڈین کو اس دستاویز کی نقل فراہم کی اور نہ ہی اس کی دوسرا حصہ دیکھنے کی اجازت دی جس میں ممکنہ طور پر لمز کے انقلاب پسند عناصر کی فہرست موجود تھی۔ان کے جانے کے بعد دوپہر تک لمز کو نہ صرف ڈی جی آئی ایس آئی بلکہ وزیر اعلیٰ پنجاب اور وزارت داخلہ کی جانب سے بھی متعدد کال موصول ہوئیں۔وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ہم نے یہ تقریب منسوخ کردی ہے یا نہیں۔ تقریب کے مہمان خصوصی میں آئی اے رحمان، قائداعظم یونیورسٹی کے پروفیسر عاصم سجاد، بلوچستان میں ہزارہ برادری کے حقوق کے لیے کام کرنے والے کارکن سجاد چنگیزی، اور ماما قدیر اور فرزانہ مجید شامل تھے۔

ہم نے ان سے مذاکرات کرنے کی کوشش کی کہ کیا ہم میڈیا کے بغیر اس مشاورت کا انعقاد کرسکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں اسے محض منسوخ کردیا گیا ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے کوئی قانونی عذر جیسے کہ دفعہ 144، بھی پیش نہیں کیا، انہوں نے بغیر کسی وجہ کے اسے منسوخ کردیا۔اس مشاورت کا انعقاد ایک نجی یونیورسٹی میں کیا گیا تھا اور عام لوگوں کو اس تک رسائی حاصل نہیں تھی۔لہٰذا اس پر پابندی لگانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔یہ بلوچستان کے لوگوں کے حقوق، معینہ طریقہ کار کے حق،

اظہار رائے کی آزادی، اجتماع کی آزادی اور مکتبی آزادی کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن مثبت پہلو یہ ہے کہ اس واقعے کے بعد طلباء زیادہ متحرک اور سرگرم ہوگئے ہیں اور گزشتہ دس دن سے لمز یونیورسٹی کے اندر اس تنسیخ کے خلاف احتجاج کیا جارہا ہے۔ احتجاج کے دوران چند نامعلوم افراد مظاہرین کی تصاویر لینے آئے۔ ہم نے انتظامیہ سے پوچھا کہ وہ کون تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ نہیں جانتے۔ ایسا لگتا ہے کہ آئی ایس آئی کو مکمل آزادی ہے کہ وہ کہیں بھی جاسکتی ہے۔ اس واقعے کو ایک سیاہ دن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

(سابق صدر سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن)

گزشتہ دنوں ہم نے بلوچستان سے متعلق اجلاس منعقد کیے۔ ہم دہشت گردی کی حمایت نہیں کرتے لیکن ہمیں یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ ہماری فوج میں دہشت گردی اور قوم پرستانہ جذبات میں تمیز کرنے کی گنجائش نہیں رہی جس کی وجہ سے معاملات خراب ہوئے ہیں۔ ہم نواب اکبر بگٹی کے حق میں نہیں تھے لیکن ہم یہ کہتے تھے کہ جب آپ لسانی طور پر زیادتی کریں گے اور لوگوں کے حقوق سلب کریں گے تو اس کا ردعمل تو ہوگا۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بلوچستان کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ بلوچستان کے وسائل پر ان کا حق ہے۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ ان کی یہ بات بالکل جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بلوچستان سے جو لوگ اٹھائے گئے ان میں سے 70 فیصد واپس آچکے ہیں اور انہوں نے بتایا کہ انہیں آئی ایس آئی اور ایف سی نے اٹھایا تھا۔ اس کے باوجود آج تک کوئی تحقیقات نہیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کو اٹھایا گیا جب ہم نے ان کے انٹرویو کیے تو معلوم ہوا کہ نہ صرف ان پر تشدد کیا گیا بلکہ ان کی تذلیل کی گئی کہ بلوچوں کو تو کپڑے پہننے کی تمیز نہیں۔ ایسی صورت میں ہم کیسے امید کرسکتے ہیں کہ ان کے نوجوان بندوقیں لے کر پہاڑوں پر نہیں جائیں گے۔ ہمارے پالیسی ساز بلوچوں کا موازنہ طالبان سے کرتے ہیں جو درست نہیں۔ ہم نے کبھی طالبان کا حق نہیں مارا بلکہ وہ ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ بلوچ تو صرف اپنا حق مانگ رہے تھے جس پر ہم نے انہیں مارا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھالیے اور کچھ لوگ جنگجو بن گئے جن کی ہم بالکل حمایت نہیں کرتے۔

میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہاں تشدد عام ہے اور حال ہی میں دو اہم چیزیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وزیر داخلہ نے برطانیہ سے کہا کہ ہم ایم کیو ایم کے کچھ لوگ آپ کے حوالے کریں گے جس کے بدلے میں آپ کو بھی چند افراد کو ہمارے حوالے کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مصالحت کی جانب نہیں جارہے بلکہ وہ اب ان بلوچ رہنماؤں کو واپس مانگیں گے جو کئی سالوں سے وہاں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جب بلوچستان میں 20 مزدوروں کو قتل کیا گیا تو ہمارا یہ موقف تھا کہ حقوق کے نام پر کسی کو بھی معصوم لوگوں کو مارنے کا حق نہیں۔ وہ سب انسان ہیں چاہے وہ بلوچ ہوں، پنجابی ہوں، پٹھان ہوں یا سندھی ہوں۔ ہم اس تشدد اور دہشت گردی کے سخت خلاف ہیں۔ مگر اس کی آڑ میں جب آپ لوگوں سے بدلہ لیں گے تو اس معاملات مصالحت کی بجائے محاذ آرائی کی طرف جائیں گے۔ وہ لوگ آئی اے رحمان اور ان جیسے لوگوں کی آواز بند کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اب وہ حالات نہیں ہیں کہ لوگوں کو پتا نہ چلے کہ بلوچستان میں کیا ہورہا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ آج بلوچستان میں جن لوگوں کو جنگجو کہہ کر مارا گیا ان میں سے دو افراد ہماری لاپتا افراد کی فہرست میں شامل تھے۔ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ وہ کون لوگ تھے جو انہوں نے مارے؟ بطور پاکستان ہمیں سیکیورٹی فورسز کی جوابدہی کا حق حاصل ہے۔

ڈاکٹر مہدی حسن

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہال بھرا ہوا ہے۔ میں اس پر ایچ آر سی پی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اگر ایچ آر سی پی کی گزشتہ سال کی رپورٹ اور گزشتہ دس سالوں کی رپورٹس دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ان رپورٹوں کا حجم بڑھتا جارہا ہے۔ عدالتیں نکمی ہوتی جارہی ہیں اور پاکستان ٹوٹ رہا ہے۔ یہ نظام نہیں چل سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی نیا نظام لایا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگلے وقت میں حکومت یہ کہہ دے کہ آپ سالانہ اجلاس منعقد نہیں کرسکتے۔ امید ہے کہ آپ اسی طرح محنت کرتے رہے تو حالات کچھ تبدیل ہوجائیں گے۔

سیشن کے آخر میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

ڈاکٹر مہدی حسن نے سوال کیا کہ کیا ایچ آر سی پی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے لیے رپورٹنگ کرے یا ان کی کسی طریقے سے مدد کرے، جس کے جواب میں ایچ آر سی پی کی چیئرپرسن زہرا یوسف نے کہا کہ ہم کسی سیاسی جماعت کو رپورٹ نہیں کرتے اور نہ ہی یہ مناسب طریقہ ہے۔ اگر اسلام آباد میں پی ٹی آئی کے دھرنے کو دیکھا گیا تو اس کا مقصد دھرنے کی حوصلہ افزائی نہیں بلکہ تحقیق تھا۔ دوسری بات یہ کہ یہ طریقہ بھی مناسب نہیں کہ کسی منتخب حکومت کو اس طرح ہٹایا جائے۔

سراج احمد نے سوال کیا کہ ایچ آر سی پی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنی جدوجہد کو نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پالیسی مرتب کرے۔ جس کے جواب میں محترمہ عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے آئندہ کے لیے کیا لائحہ عمل بنایا ہے اور اس میں کس حد تک کامیابی ممکن ہے۔ ابھی شیر محمد صاحب نے بتایا کہ وہ لاپتا افراد کے دو کیس سپریم کورٹ لے گئے۔ افتخار چودھری نے ان کی ایک نہ سنی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ، جو ایجنسیوں کی حراست میں تھے، انہیں ماردیا گیا۔ ہم راشد رحمان کیس کا مسلسل فالواپ کرتے رہے ہیں۔ ان کے قتل کے بعد ملتان میں خوف کی کیفیت تھی اور کوئی شخص دفتر کھولنے کو تیار نہیں تھا۔ آخرکار ان کے شاگرد نے ہمت کا مظاہرہ کیا اور آج ہمارا دفتر ملتان میں کام کررہا ہے۔ میری چیئرپرسن صاحبہ سے درخواست ہے کہ اس بار زیادہ کانفرنسیں منعقد کی جائیں کیونکہ پچھلے سال بہت کام کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ ایچ آر سی پی ایک چھوٹی سی تنظیم ہے، اس کے برعکس پاکستان میں مسائل بہت زیادہ ہیں۔ میں گلگت بلتستان کے انسانی حقوق کے کارکنوں کو سلام پیش کرتی ہوں۔ سیاسی وابستگی کے حوالے سے میں کہنا چاہوں گی کہ ہماری پالیسی جمہوریت ہے اور ہم آزادی رائے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم سب کو کھلی اجازت ہونی چاہیے کہ ہم اپنی مرضی کی جماعت میں شمولیت اختیار کرسکیں۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایچ آر سی پی کا پلیٹ فارم استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ دھرنوں کے دوران ایچ آر سی پی نے بہت بڑا کردار ادا کیا ورنہ کچھ پل میں یہ نظام بدل جانا تھا۔ ایچ آر سی پی نے بتادیا کہ اگر نظام بدل گیا تو ایچ آر سی پی اور سول سوسائٹی سخت مزاحمت کرے گی۔ فوجی عدالتوں پر بھی ایچ آر سی پی کا موقف واضح ہے۔ سول سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ فوجی عدالتوں اور فوجی آپریشن کی ہر سطح پر مذمت کرے۔ ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اس آپریشن میں کتنے لوگ مارے گئے۔ ہمیں سائبر کرائم کے قوانین پر بھی تشویش ہے کہ ان کا غلط استعمال کیا جائے گا۔

آصفہ ناز نے عاصمہ جہانگیر سے سوال کیا کہ فوجی عدالتوں کو ہر جماعت نے خوش آمدید کہا۔ اگر کل کوئی سیاسی جماعت اس عدالتوں کی زد میں آگئی تو ایچ آر سی پی ان کے لیے کیا کرسکے گا۔ سوال کے جواب میں عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا۔ سیاسی جماعتیں پہلے فوج کو بلاتی ہیں اور پھر مار کھاتی ہیں تو ایچ آر سی پی کو یاد کرتی ہیں۔ لیکن یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب ان کے کان بندوق رکھی جاتی ہے۔ فوجی عدالتوں کو اختیار دینا پارلیمنٹ کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسن صاحب نے درست کہا کہ شاید اگلے وقتوں میں ہمیں بھی اجلاس کرنے سے روک دیا جائے۔ اسی لیے ہم جمہوریت چاہتے ہیں۔

اصغر حسین حماد نے سوال کیا کہ جعلی پولیس مقابلوں میں سیکڑوں لوگوں کو مارا گیا لیکن ایچ آر سی پی کی رپورٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں، جس پر زہرا یوسف صاحبہ نے کہا کہ ایچ آر سی پی ماورائے عدالت قتل کی مذمت کرتا ہے۔

☆☆☆

ہاریوں پر تشدد

عمر کوٹ 25 مارچ کو کنری شہر کے قریب گوٹھ احسان بھرگڑی میں ایک زمیندار کی طرف سے لی جانے والی جبری مشقت کے خلاف عدالت سے رجوع کرنے والے ہاریوں پر حملہ ہوا۔ متاثر ہاریوں نے بتایا کہ وہ تحصیل کنری کی یونین کونسل شیر خان چانڈیو دیھہ رندکی کے زمیندار رئیس احسان بھرگڑی کے پاس گزشتہ پانچ برسوں سے بطور ہاری کام کرتے تھے۔ ہاری عارب بھیل نے عدالت میں 36 ہاریوں کی بازیابی کے لیے ضلعی عدالت میں درخواست داخل کروائی تھی۔ جس پر عدالت نے کنری پولیس کو 26 مارچ کو باندی ہاریوں کو رہا کرا کر عدالت میں پیش کرنے کے احکامات جاری کئے تھے۔ لیکن رہائی سے پہلے وہ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے تو زمیندار احسان بھرگڑی نے اپنے دیگر حواریوں بنو چانڈیو، بھورو بھیل، چاکر چانڈیو کے ہمراہ ڈنڈوں اور کلہاڑیوں سے حملہ کر کے ہاریوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں 13 ہاری شدید زخمی ہو گئے۔ مذکورہ ہاریوں پر تشدد کے بعد حملہ آور چار ہاریوں کو اغواء کر کے نامعلوم مقام پر لے گئے۔ زمیندار احسان بھرگڑی نے اپنے حواری چانڈیو کو فریادی بنا کر متاثرین کے خلاف کنری تھانے پر جھوٹا مقدمہ بھی درج کرایا۔ کنری پولیس نے عدالتی حکم پر 26 مارچ کو زمیندار احسان بھرگڑی کی زمین پر چھاپہ مار کر 36 سے 32 ہاری افراد کو بازیاب کرا کر 27 مارچ کو ایڈیشنل سیشن جج عمر کوٹ کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے چار گمشدہ ہاریوں کو تلاش کر کے پیش کرنے کا حکم دیا۔ عدالت نے باقی 32 ہاریوں کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی بسر کرنے کی اجازت دی۔ پولیس نے عدالتی حکم پر تمام ہاریوں کو عمر کوٹ وایار تور روڈ پر قائم ہاریوں کے آبادی کاری کیمپ پہنچایا۔ (اوکھول)

فائرنگ سے دو خواجہ سرا ہلاک

صوابی صوابی میں نامعلوم افراد نے ایک گاڑی پر حملہ کر کے دو خواجہ سراؤں کو ہلاک کر دیا ہے جبکہ دو افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔ یہ واقعہ 5 اور 6 اپریل کی درمیانی شب صوابی کے علاقے سوڈیر میں یار حسین پولیس سٹیشن کی حدود میں پیش آیا۔ یار حسین پولیس سٹیشن کے انچارج ابرار خان نے بتایا کہ خواجہ سرا کا ایک گروپ کی صورت میں محفل موسیقی ختم ہونے کے بعد واپس جا رہے تھے کہ سوڈیر کے علاقے میں تین موٹر سائیکلوں پر سوار چھ ملزمان نے انھیں روکنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا کہ مسلح افراد خواجہ سراؤں کو اغواء کرنا چاہتے تھے تاہم ان کی جانب سے مزاحمت کرنے پر مسلح افراد کی طرف سے فائرنگ کی گئی جس میں دو خواجہ سرا ہلاک اور تین دیگر افراد زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں ایک خواجہ سرا، ڈرائیور اور ایک ڈھولک بجانے والا شامل ہیں۔ تینوں زخمیوں کو پشاور منتقل کر دیا گیا ہے۔ پولیس اہلکار نے مزید بتایا کہ ملزمان نے ایک خواجہ سرا کو اغوا کر لیا تھا، تاہم بعد میں انہیں بازیاب کرا لیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ پولیس نے حملے میں ملوث پانچ ملزمان کو اسلحہ سمیت گرفتار کر لیا ہے تاہم ایک ملزم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہلاک ہونے والے خواجہ سراؤں کی عمریں 18 سے 20 سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے اور ان میں دو کا تعلق صوابی اور ایک کا پشاور سے ہے۔ مرنے والے خواجہ سراؤں کی لاشیں پشاور سے صوابی منتقل کی جا رہی ہے۔ خیال رہے کہ خیبر پختونخوا میں خواجہ سراؤں پر حملوں کے واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔ گزشتہ سال مارچ میں ضلع چارسدہ میں خواجہ سراؤں کی گاڑی پر حملہ کیا گیا تھا جس میں ایک خواجہ سرا ہلاک ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے چارسدہ میں پولیس کے اے ایس آئی نے ایک خواجہ سرا کے ساتھ جنسی تشدد کی کوشش کی تھی، جس پر خواجہ سرا نے پولیس اہلکار سے پستول چھین کر خود کو گولی ماردی تھی جس سے وہ زخمی ہو گئے تھے۔ تاہم اعلیٰ پولیس حکام نے اس واقعہ کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے مذکورہ اے ایس آئی کو معطل کر کے ان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا تھا۔

(نامہ نگار)

چچا سمیت خاندان کے دس افراد قتل

گلگت خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ کے علاقے تنگی میں گل احمد سیّد نامی شخص نے اپنے چچا سمیت خاندان کے دس افراد کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا ہے۔ تنگی پولیس سٹیشن کے محرر گلزار خان نے بتایا کہ یہ واقعہ 5 اپریل کی شب ساڑھے تین بجے پولیس سٹیشن سے 12 کلومیٹر دور اورنگ زیب قلعہ داؤد گل نامی گاؤں میں پیش آیا۔ ان کا کہنا تھا کہ گل احمد نے اپنے گھر والوں کی رضامندی کے بغیر چچا جمال کی بیٹی سے زبردستی منگنی کی تھی۔ پولیس کے مطابق گل احمد اپنے اہلِ خانہ کو قتل کرنے کے بعد علاقہ غیر فرار ہو گئے تھے تاہم ان کے چچا نے اب انھیں اپنے گھر میں پناہ دے رکھی تھی۔ وہ ملزم ہے اور کبھی کبھی اپنے چچا کے گھر علاقہ غیر سے آ کر رہتا تھا۔ مذکورہ شب بھی وہ ان کے گھر آیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ مبینہ طور پر گل احمد کے ہاتھوں چچا اور ان کے خاندان کا قتل شادی کے مسئلے کی وجہ سے ہی ہوا۔ ہلاک ہونے والے 10 افراد میں چار خواتین اور ایک چودہ سالہ لڑکی بھی شامل ہے۔ حکام کے مطابق مقتولین کی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے تنگی ہسپتال پہنچا دی گئی ہیں۔

(نامہ نگار)

اغواء کر کے قتل کر دیا

فیصل آباد 38 ج ب میں نوجوان اجمل اپنے بہنوئی عمران اقبال اور دوستوں ظفر اقبال اور افتخار احمد کے ہمراہ بیٹھک میں سویا ہوا تھا کہ رات کو 4 نامعلوم افراد نے اسے وہاں سے اغوا کیا اور موٹر سائیکل پر بیٹھا کر لے گئے۔ ملزمان نے راستے میں نوجوان کے سر میں گولی مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور نعش پھینک کر فرار ہو گئے۔ تھانہ ٹھیکری والا پولیس نے نامعلوم ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔

(میاں نوید)

قوم پرست جماعتوں کی اپیل پر ہڑتال

تربت 27 مارچ کو قوم پرست سیاسی اتحاد بلوچ نیشنل فرنٹ کی اپیل پر تربت، تمپ، مند، بلیدہ اور ضلع کیچ کے مختلف علاقوں میں یوم سیاہ مناکر شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی جس کے سبب صبح سے شام گئے تک تمام کاروباری مراکز، بینک، ٹرانسپورٹ کمپنیاں، ہوٹلیں، چائے خانے اور نجی و پرائیوٹ ادارے بند رہے ہڑتال کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں بھی تعطیل رہی اور بیشتر اسکول و کالجز اور لینگویج سنیٹر بند رہے۔ تربت کے علاوہ تمپ، مند، دشت، بلیدہ اور دیگر علاقوں میں بھی شٹر ڈاؤن ہڑتال کی اطلاعات ملی ہیں جبکہ ہڑتال کے سبب سڑکوں میں ٹریفک کی روانی بھی متاثر رہی۔

(اسد اللہ بلوچ)

پولیو ورکرز پر حملہ

باجوڑ ایجنسی 18 مارچ کو پولیو مہم کے تیسرے روز باجوڑ ایجنسی کی تحصیل ناواگئی کے علاقہ برہ کمانگرہ میں پولیو ورکرز پولیو مہم میں مصروف تھے کہ نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں ایک پولیو ورکر روح اللہ جاں بحق جبکہ عارف اللہ زخمی ہو گیا۔ سکیورٹی فورسز نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے کر سرچ آپریشن شروع کر دیا جبکہ انتظامیہ نے واقعہ کی تحقیقات شروع کر دی ہیں۔

(شاہد حبیب)

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **26** مارچ سے **20** اپریل تک کے دوران ملک بھر میں **113** افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں **39** خواتین شامل تھیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں **53** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور **14** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں **43** نے زہر کھا/پی کر، **22** نے خود کو گولی مار کر اور **21** نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی کے **113** واقعات میں سے صرف **10** واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
26مارچ	-	مرد	35برس	-	-	-	ٹرین تلے آ کر	موڑ ایمن آباد، کامونکی	-	روزنامہ خبریں
26مارچ	ریاض	مرد	-	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	کوٹ نثار شاہ، کامونکی	-	روزنامہ خبریں
26مارچ	وصال	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	عمرزئی، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
27مارچ	اقبال احمد	مرد	65برس	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	جی ایٹ فور، اسلام آباد	-	روزنامہ مشرق
27مارچ	ندیم	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو گولی مار کر	جلال سلطنگن، گوجرانوالہ	-	روزنامہ مشرق
27مارچ	مہدانی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھ ماہی خان، خیر پور میرس	-	روزنامہ کاوش
27مارچ	رفیق	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	-	پھندا لے کر	گاؤں شرکئی، کرک	درج	روزنامہ ایکسپریس
28مارچ	نسیم مہر	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	لکھی غلام شاہ، شکارپور، سندھ	-	روزنامہ کاوش
29مارچ	ممتاز بی بی	خاتون	35برس	-	شادی شدہ	-	زہر خورانی	کھوکھر ٹاؤن، بند روڈ، لاہور	-	روزنامہ نیوز
29مارچ	مسرت گوندل	مرد	-	-	شادی شدہ	-	زہر خورانی	لنگر مخدوم، چناب نگر	-	روزنامہ دنیا
29مارچ	سجاد	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	محلہ عیدگاہ، حجرہ شاہ مقیم	-	روزنامہ ایکسپریس
29مارچ	آصف	مرد	26برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	قلعہ مستیاں، مرید کے	-	روزنامہ خبریں
29مارچ	عذرا بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	صدا اوتاڑ، قصور	-	روزنامہ جنگ
29مارچ	وجیہہ	خاتون	20برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	منڈی فیض آباد	-	روزنامہ جنگ
29مارچ	شاہد	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	محلہ اسلام پورہ، گوجرانوالہ	-	روزنامہ جنگ
29مارچ	شہباز	مرد	23برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	سرگودھا	-	روزنامہ جنگ
29مارچ	ذوالفقار علی	مرد	30برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	انذرگئی کاٹلنگ، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
30مارچ	عافیہ	خاتون	-	-	-	-	زہر خورانی	چک 225رب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
30مارچ	ر	خاتون	24برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 229رب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
30مارچ	قیصر	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	حدوکے، شیخوپورہ	-	روزنامہ جنگ
30مارچ	عظیم رضا	مرد	18برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	لمبا کھوالہ، قصور	-	روزنامہ نئی بات
31مارچ	ماریہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	داؤکے، شیخوپورہ	-	روزنامہ نئی بات
31مارچ	ہزار خان نوناری	مرد	40برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	نوناری محلہ تنگوانی، کشمور، سندھ	-	روزنامہ کاوش
2اپریل	مورث مسیح	مرد	18برس	-	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	مغلپورہ، لاہور	-	روزنامہ نئی بات
2اپریل	آفتاب احمد	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	چھت سے کود کر	بستی جاچڑاں والا، کنجوانی	-	روزنامہ نئی بات
2اپریل	ص	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-		موضع، سیالکوٹ	-	روزنامہ نئی بات
کیم اپریل	لیاقت	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	کوٹ رادھا کشن	-	روزنامہ نوائے وقت
کیم اپریل	محمد ابراہیم	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	گاؤں تارا گڑھ، کھڈیاں خاص	-	روزنامہ جنگ
کیم اپریل	عمر فاروق	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	غربت سے تنگ آ کر	زہر خورانی	محلہ مسلم پارک، نارنگ منڈی	-	روزنامہ جنگ
کیم اپریل	فرزانہ	خاتون	-	22برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	بستی فیض آباد، جھنگ	-	روزنامہ جنگ
کیم اپریل	محمد عثمان	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کوٹ قاضی والا، چناب نگر	-	روزنامہ نئی بات
2اپریل	اسامہ	بچہ	-	-	غیر شادی شدہ	امتحان میں ناکامی پر	-	محلہ سرورخیل، میانوالی	-	روزنامہ نوائے وقت
2اپریل	ص	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	753 گ، پیر محل	-	روزنامہ نوائے وقت
3اپریل	فاروق بٹ	مرد	28برس	-	-	-	خود کو گولی مار کر	شاد باغ، لاہور	-	روزنامہ نئی بات

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
3اپریل	نجمہ	خاتون	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ساہیوال	-	روزنامہ نئی بات
3اپریل	یاسمین	خاتون	29برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	تھانہ ساندل بار، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
3اپریل	حسنین	بچہ	-	-	غیر شادی شدہ	امتحان میں ناکامی پر	زہرخورانی	قلندر محلہ کیمپ، سیالکوٹ	-	روزنامہ نئی بات
3اپریل	عمران بشیر	مرد	17برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	محلہ نظام آباد، کندیاں	-	روزنامہ نئی بات
3اپریل	قلندر بخش	مرد	55برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گوٹھ محمد علی بروہی، سندھ	-	روزنامہ کاوش
4اپریل	-	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	نالے میں کود کر	کہوٹہ	-	روزنامہ جنگ
4اپریل	-	مرد	-	-	شادی شدہ	-	-	قصور	-	روزنامہ جنگ
4اپریل	-	مرد	-	-	شادی شدہ	-	-	حافظ آباد	-	روزنامہ جنگ
4اپریل	-	خاتون	18برس	-	غیر شادی شدہ	-	-	امین پور بنگلہ	-	روزنامہ جنگ
4اپریل	-	مرد	17برس	-	غیر شادی شدہ	-	-	لیاقت آباد	-	روزنامہ جنگ
4اپریل	کرن بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	خود کو آگ لگا کر	چک 170/172 شمالی، سلانوالی	-	روزنامہ نوائے وقت
5اپریل	اعجاز بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	کنویں میں کود کر	چک 144 ج ب، چنیوٹ	-	روزنامہ نئی بات
5اپریل	-	خاتون	26برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	وزیر آباد	-	روزنامہ نئی بات
5اپریل	محمد لطیف	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	اوکاڑہ	-	روزنامہ نئی بات
5اپریل	رضوان	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	چک 562 گ ب، جڑانوالہ	-	روزنامہ جنگ
5اپریل	لبنیٰ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	احمد نگر، علی پور، چٹھہ	-	روزنامہ جنگ
5اپریل	نورولی	مد	55برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں پیپل کاٹنگ، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
6اپریل	شہنیل میمن	مرد	25برس	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	پیر گوٹھ، خیرپورمیرس، سندھ	-	روزنامہ کاوش
7اپریل	رحمت کریم	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	چترالی بازار پشاور سٹی، پشاور	درج	روزنامہ آج
7اپریل	اسلام بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	الہ آباد، قصور	-	روزنامہ دنیا
7اپریل	شاہدہ	خاتون	20برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	اقصیٰ کالونی، واربرٹن	-	روزنامہ نوائے وقت
8اپریل	ملک دوست محمد	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	رنگ پور، خوشاب	-	روزنامہ جنگ
8اپریل	منظور	مرد	80برس	-	-	ذہنی معذوری	نہر میں کود کر	اکبر روڈ، اوکاڑہ	-	روزنامہ جنگ
8اپریل	خالدہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو تشدد سے دلبرداشتہ	نہر میں کود کر	موضع رسالہ، شرقپور	-	روزنامہ جنگ
8اپریل	محمد عامر	مرد	17برس	-	غیر شادی شدہ	-	پھندا لے کر	قصبہ سیال دھولکہ، سرگودھا	-	روزنامہ نئی بات
8اپریل	عامر سولنگی	مرد	15برس	-	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	خیرپورمیرس	-	روزنامہ کاوش
9اپریل	دانیال ملاح	مرد	30برس	-	-	-	چھت سے کود کر	خیرپورمیرس، سندھ	-	روزنامہ کاوش
10اپریل	محمد شکیل	مرد	28برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	چک 246 رب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
10اپریل	محمد رمضان	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بھاگٹانوالہ، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
10اپریل	ش	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کٹھیالہ شیخاں	-	روزنامہ جنگ
10اپریل	وجیہہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	نہر میں کود کر	واربرٹن	-	روزنامہ جنگ
12اپریل	گڑیا	خاتون	16برس	-	غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	فیکٹری ایریا، لاہور	-	روزنامہ خبریں
12اپریل	ثریا بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو آگ لگا کر	رحمت ٹاؤن، فیصل آباد	-	روزنامہ ایکسپریس
12اپریل	محمد یاسین	مرد	25برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	408 گ ب، فیصل آباد	-	روزنامہ خبریں
12اپریل	ذاکر	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	حبیب پورہ، کامونکی	-	روزنامہ جنگ
12اپریل	عرفان	مرد	32برس	-	-	-	پھندا لے کر	لالہ موسیٰ	-	روزنامہ جنگ
12اپریل	مختیار بروہی	مرد	28برس	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	لاڑکانہ، سندھ	-	روزنامہ کاوش
12اپریل	خالد مغیری	مرد	18برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	ڈوکری، لاڑکانہ، سندھ	-	روزنامہ کاوش
12اپریل	نورخاتون	خاتون	19برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گھوٹکی، سندھ	-	روزنامہ کاوش
12اپریل	اعجاز الرحمن	مرد	-	-	-	ذہنی معذوری	خود کو گولی مار کر	اندر گئی کاٹنگ، مردان	درج	روزنامہ آج

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
13اپریل	آمنہ بی بی	خاتون	16برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ	-	روزنامہ ڈان
13اپریل	عدنان	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	محلہ رحمت آباد، حافظ آباد	-	روزنامہ نئی بات
13اپریل	عائشہ	خاتون	45برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	النور کالونی، جھنگ	-	روزنامہ جنگ
13اپریل	شبیر احمد	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	سرائے عالمگیر	-	روزنامہ جنگ
13اپریل	بشیر احمد	مرد	35برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گجرات	-	روزنامہ جنگ
13اپریل	حبیب اللہ	مرد	25برس	-	غیرشادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	شگئی ہندکیان، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
14اپریل	عدنان	مرد	25برس	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	خود کو گولی مار کر	غنڈہ کرکنہ سرڈھیری، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
14اپریل	نبی بخش	مرد	40برس	-	-	بیماری سے دلبرداشتہ ہو کر	خود کو آگ لگا کر	ٹنڈوالہ یار	-	روزنامہ نوائے وقت
14اپریل	-	مرد	-	-	-	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گاؤں ٹانڈا، گجرات	-	ایکسپریس ٹریبیون
14اپریل	سمیرا	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	״	زہرخورانی	رفیق آباد، فیروزوالہ	-	روزنامہ نوائے وقت
14اپریل	بشارت	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	پھندا لے کر	کڑیانوالا، گجرات	-	روزنامہ جنگ
14اپریل	جاوید لغاری	مرد	-	-	-	ذہنی معذوری	ٹرین تلے آ کر	پھلروان	-	روزنامہ جنگ
14اپریل	فراست	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	محلہ پیر کالے شاہ، حافظ آباد	-	روزنامہ جنگ
14اپریل	محمد افضال	مرد	40برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلہ الیوالی، سمبڑیال	-	روزنامہ جنگ
15اپریل	محمد آصف	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	ٹرین تلے آ کر	چک 298 ج ب، گوجرہ	-	روزنامہ نئی بات
15اپریل	صائمہ	خاتون	40برس	-	-	-	زہرخورانی	موضع پسوال، شکرگڑھ	-	روزنامہ نئی بات
15اپریل	نگین فاطمہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	-	زہرخورانی	گاؤں فرید پور، سہاگ، حویلی لکھا	-	روزنامہ جنگ
15اپریل	عارف	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	چک 236 رب، فیصل آباد	-	جنگ
15اپریل	اشفاق	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	197 گ ب، مریدوالا، فیصل آباد	-	جنگ
15اپریل	سمیرا بی بی	خاتون	22برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلہ رفیق آباد، شیخوپورہ	-	جنگ
16اپریل	-	خاتون	22برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	ٹرین تلے آ کر	جمالی نگر، رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹریبیون
17اپریل	سمیت کمار	مرد	25برس	-	-	مالی حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	کمانگر محلہ شکارپور، سندھ	درج	روزنامہ کاوش
17اپریل	شانو	مرد	14برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پہاڑی پورہ، پنجہ غلام، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
17اپریل	یاسمین	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	خود کو آگ لگا کر	بھائی والا، فیصل آباد	-	نئی بات
17اپریل	الف	مرد	-	-	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خود کو آگ لگا کر	بدین	-	ایکسپریس ٹریبیون
18اپریل	صبا سولنگی	خاتون	16برس	-	غیرشادی شدہ	بیماری سے دلبرداشتہ ہو کر	خود کو گولی مار کر	گوٹھ واندھ، خیرپور، سندھ	-	روزنامہ کاوش
18اپریل	عبداللہ	مرد	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	غازی آباد، اوکاڑہ	-	روزنامہ ایکسپریس
18اپریل	اشرف	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	زہرخورانی	چک 42 مرڑ، سانگلہ ہل	-	روزنامہ ایکسپریس
18اپریل	بنیامین مسیح	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	گاؤں 9/4 ایل، اوکاڑہ	-	روزنامہ نوائے وقت
18اپریل	-	خاتون	32برس	-	شادی شدہ	انصاف نہ ملنے پر دلبرداشتہ	خود کو آگ لگا کر	سخی سرور آباد، فیصل آباد	-	ایکسپریس ٹریبیون
19اپریل	شریمتی لالی	خاتون	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	ڈگری ٹاؤن، میرپور خاص	-	کراچی ڈان
19اپریل	شیخ وقاص	مرد	27برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	-	روزنامہ جنگ
19اپریل	بزل	مرد	15برس	-	غیرشادی شدہ	-	نہر میں کود کر	پرانی بکرمنڈی، قصور	-	روزنامہ جنگ
19اپریل	عمران	مرد	-	-	-	-	پھندا لے کر	سنٹرل جیل، ساہیوال	-	روزنامہ جنگ
19اپریل	زاہدہ پروین	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	شاہین آباد، گوجرانوالا	-	روزنامہ جنگ
19اپریل	عبداللہ رمضان	مرد	40برس	-	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	صادق آباد، بہاولپور	-	ایکسپریس ٹریبیون
19اپریل	احمد علی	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گاؤں مہتم، شرقپور	-	روزنامہ نوائے وقت
19اپریل	وسیم شر	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	بھنگو بہن، فیض گنج، سندھ	-	روزنامہ کاوش
20اپریل	اختر	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	سانگلہ ہل	-	روزنامہ نوائے وقت

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

بڑھاپا الاؤنس میں اضافہ کیا جائے

میانوالی بڑھاپا الاؤنس (ای او بی آئی) مبلغ 3600 روپے سے بڑھا کر دس ہزار روپے کیا جائے۔ گزارش ہے کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مزدور کسی بھی صنعت میں ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں جو کہ اپنی تمام تر توانائیاں فیکٹری وصنعت کی ترقی کے لیے وقف کردیتے ہیں۔ ریٹائرمنٹ سے حاصل شدہ رقم جوان بچوں، بچیوں کی شادیوں پر صرف کر بیٹھتے ہیں۔ باقی زندگی بڑھاپا پنشن کے سہارے گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو کہ اس مہنگائی کے دور میں صرف مبلغ 3600 روپے ہے۔ اہل دانش کا سوال ہے کہ کیا یہ بڑھاپا الاؤنس مبلغ 3600 کسی بھی معاشرہ کے یا ملک میں 2 افراد پر مشتمل افراد کا بجٹ ہوسکتا ہے؟

(ملک عبدالرحمٰن)

کاشتکاروں کا احتجاج

ٹوبہ ٹیک سنگھ تریموں سدھنائی لنک کینال سے پانی کے رساؤ پر درجنوں کاشت کاروں نے احتجاجی ریلی نکالی جس کی قیادت مسلم لیگ (ن) کے رکن صوبائی اسمبلی میاں رفیق اور شفقت رسول ایڈووکیٹ نے کی۔ 12 اپریل کو نواحی گاؤں 296 گ ب پھاٹک سے شروع ہونے والی ریلی کے شرکاء نے بینر اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر ''قاتل نہر کو پختہ کرو، ہمارا معاشی قتل بند کرو'' اور ''زمینوں کو بنجر ہونے سے بچاؤ'' جیسے نعرے درج تھے۔ ریلی کے شرکاء حکومت کے خلاف شدید نعرے بازی کرتے ہوئے شورکوٹ روڈ سے گزر کر شہباز چوک پہنچے جہاں دھرنا دیا گیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے ایم پی اے میاں رفیق اور شفقت رسول ایڈووکیٹ نے کہا کہ تریموں سدھنائی لنک کینال سے پانی کے رساؤ کے باعث پیر محل، شورکوٹ اور کبیر والا کے سینکڑوں دیہات طویل عرصہ سے زیرآب چلے آرہے ہیں اور پانی رہائشی علاقوں میں بھی داخل ہوچکا ہے جس کے باعث کاشت کاروں کی فصلیں تباہ، اراضی بنجر اور مکانات منہدم ہورہے ہیں۔ انہوں نے نہر کو فی الفور پختہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ (اعجاز اقبال)

کمسن گھریلو ملازمین کے لیے تاحال کوئی قانون موجود نہیں

--- ان کمسن ملازمین کو لیبر قوانین کے تحت تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ان کے لیے نہ تو کم سے کم اجرت مقرر کی گئی ہے اور نہ ہی کام کے بوجھ کی کوئی حد مقرر ہے جو ان کا آجران پر ڈال سکتا ہے، اور ان کی اجتماعی حیثیت اتنی مضبوط نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی معاہدہ طے کروا سکیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان آئی ایل او کے میثاق 189 کی توثیق کرے جو گھریلو ملازمین کے حقوق کے تحفظ پر زور دیتا ہے۔ لیکن صرف ایک معاہدے کی توثیق سے اس مسئلے کو حل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے مناسب قوانین کی منظوری اور ان کا نفاذ کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے تقریباً اسّی لاکھ گھریلو ملازمین کی حیثیت کو یقینی اور مستحکم بنانے کے لیے پاکستانی عوام کی ذہنیت کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم چائلڈ لیبر کو نظرانداز نہ کریں۔ اگر ایک سروے کا انعقاد کیا جائے تو ہر پاکستانی کسی ایسے شخص کو جانتا ہوگا جس کے گھر میں کمسن ملازمین کام کرتے ہوں۔ اس وقت یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ قابل قبول نہیں۔ اسے روکنے کی ضرورت ہے۔ آپ ایک بچے کو ملازم رکھ کر اسے اس کے روزگار سے محروم کر رہے ہیں۔ پاکستان کا آئین چند محدود حالات میں چائلڈ لیبر کی ممانعت کرتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ: ''14 برس سے کم عمر کے کسی بھی بچے کو کسی بھی فیکٹری یا کان یا کسی اور پرخطر شعبے میں بھرتی نہیں کیا جائے گا۔ سول سوسائٹی نے اس مسئلے پر آواز اٹھائی جس کے بعد چند صوبائی حکومتوں نے اس مسئلے کے حوالے سے چند ضوابط کی منظوری تو دی لیکن ان بچوں کے تحفظ کے لیے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس ڈیپارٹمنٹ آف لیبر کی ایک رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی صنعتوں میں چائلڈ لیبر بدترین شکل میں موجود ہے جن میں گھریلو ملازمین بھی شامل ہیں۔ بین الاقوامی ادارہ برائے محنت (آئی ایل او) کے مطابق: ''چائلڈ لیبر بچوں کی کسی ایسے کام میں ملازمت سے متعلق ہے جو بچوں سے ان کا بچپن چھین لے، جس کے باعث وہ باقاعدگی سے سکول نہ جاسکیں، اور جو ذہنی، جسمانی، سماجی یا اخلاقی طور پر خطرناک اور نقصان دہ ہو۔'' مختصر یہ کہ ہمارے نزدیک یہ بات مکمل طور پر قابل قبول اور عام ہے کہ چھوٹے بچے ہمارے گھروں میں گھریلو ملازمین کے طور پر کام کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اس کا خاتمہ کب کریں گے؟

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ سپارک)

اغواء برائے تاوان کے واقعات پر قابو پایا جائے

قلات قلات میں اغواء برائے تاوان کے واقعات سے شہری شدید پریشان ہیں۔ ضلع قلات کی تحصیل سوراب میں 3 اپریل کو ایک گاڑی میں سوار مسلح افراد نے ایک شخص محمد رفیق مینگل کو اسلحہ کے زور پر اغواء کرلیا۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ علاقہ میں اس طرح کے واقعات پیش آنے کی وجہ سے لوگوں میں خوف وہراس پایا جاتا ہے اور مغرب سے پہلے شہر میں تمام دکانیں اور میڈیکل سٹور بند ہوجاتے ہیں۔ خوف کی وجہ سے لوگ جلدی گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اس سے پہلے 15 مارچ کو قلات سے ایک شخص کو اغواء کیا گیا جس کی لاش دو دن بعد تحصیل سوراب کے علاقہ حاجیکہ کے مقام سے ملی تھی۔

(محمد علی)

تنخواہیں نہ ملنے پر مزدور اتحاد کا احتجاج

حیدرآباد 10 اپریل کو ایچ ڈی اے اقلیتی مزدور اتحاد نے واسا کے مستقل، ڈیلی ویجز، کنٹریکٹ اور ریٹائرڈ ملازمین کی تنخواہوں اور پنشن کی عدم ادائیگی کے خلاف احتجاج کے 15ویں روز بھی واسا ملازمین نے بانس وبالٹی چھوڑ ہڑتال کا سلسلہ جاری رکھا اور دھرنا دیا جبکہ پریس کلب تک ریلی نکال کر مظاہرہ بھی کیا۔ اس موقع پر رشید شیخ، پوٹا امتیاز اور جان چراغ نے کہا کہ افسران کی ناقص پالیسیوں کے باعث ادارہ تباہی کی جانب گامزن ہے، چھوٹے اور نچلے درجے کے ملازمین فاقوں پر مجبور ہیں۔ (لالہ

طویل لوڈشیڈنگ کے خلاف احتجاج

پاراچنار 22 گھنٹے کی طویل لوڈشیڈنگ کے خلاف 2 1اپریل کو پاراچنار میں تاجروں، عمائدین نے قبائلیوں کے ہمراہ احتجاجی مظاہرہ کیا اور مظاہرین نے لوڈشیڈنگ ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ پاراچنار میں تاجروں، قبائلی عمائدین اور عام قبائلیوں کی جانب سے نکالی گئی احتجاجی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ پاراچنار سمیت پورے کرم ایجنسی میں بائیس گھنٹے لوڈشیڈنگ کی جارہی ہے جسکی وجہ سے لوگ شدید مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہیں۔ قبائلی عمائدین نے اعلان کیا کہ اگر لوڈشیڈنگ کا سلسلہ ختم نہ کیا گیا تو وہ اس کے خلاف احتجاجی تحریک کا آغاز کردیں گے۔

(نامہ نگار)

last few years have been criticised in Pakistan and beyond as devices to deny citizens their basic human rights. The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has denounced the Actions in Aid of Civil Power Regulation enforced in the Federally Administered Tribal Areas (FATA) and Provincially Administered Tribal Areas (PATA), because the law violates basic human rights principles and provides cover to illegal acts of security forces in matters of arbitrary detention, torture and enforced disappearance. HRCP has stated that those living in Malakand Division of Khyber Pakhtunkhwa are suffering the most under this law.

Rather than detaining citizens in notified prisons, Actions in Aid of Civil Power Regulation allows for detention of individuals at internment centres, which can be any compound, house, building, facility or any temporary or permanent structure that is notified by the provincial government as such. Such detention deprives the detainees of basic human rights guaranteed in the constitution and under international human rights treaties that Pakistan has promised to honour and implement.

The superior judiciary on disappearance

As early as 2006, the courts were moved through habeas corpus petitions pertaining by families of victims of enforced disappearance as well as human rights groups, including Human Rights Commission of Pakistan. While initially the courts accepted the replies of the authorities and the ministries of the interior and defence, which denied any knowledge of the disappearances, at face value but as the numbers of the 'missing' piled up and more and more incidents were reported by the media, the courts too had to start looking at the trend more carefully and demanding more clarity from the authorities.

Despite hundreds of such well-documented cases pending in higher courts as well as with the Commission of Enquiry on Enforced Disappearances, established in 2010 to investigate cases, identify perpetrators and pay compensation to the aggrieved, not a single perpetrator responsible for such violations has been identified, tried or punished.

Recommendations by international human rights bodies

The United Nations Working Group on Enforced and Involuntary Disappearances (WGEID) visited Pakistan in September 2012 to conduct a fact-finding mission. The WGEID stated that they had been receiving cases of enforced disappearances from Pakistan since 1985 and by 2011, the number of cases pending before it were 107. The working group made a number of recommendations to Pakistan at the conclusion of their visit. They called on the government to ratify the International Convention for the Protection of All Persons from Enforced and Involuntary Disappearance and the Rome Statute of the International Criminal Court. They also recommended that the jurisdiction of Pakistan's superior court should be extended to the FATA region and the judicial commission of inquiry should be strengthened. They further observed that clear rules and dedicated institutions should be created to ensure the oversight and accountability of law enforcement and intelligence agencies. Unfortunately, none of these recommendations have been heeded so far. Lack of effective efforts to punish the perpetrators not only means that a significant deterrent for agents of the state to desist from this practice is missing, it also denies the victims and their families the closure they deserve.

Now you see them...

Enforced disappearance was not a term that people in Pakistan came across often before the turn of the century. It became better known soon after 9/11, when individuals affiliated with banned militant organisations became early victims of this human rights violation. Incidents of enforced disappearance were subsequently reported from Balochistan, Khyber Pakhtunkhwa and most recently from Sindh.

The key elements which lead to enforced disappearance in international law are deprivation of liberty, by the state or its agents, followed by a refusal to acknowledge the whereabouts of the individual with a view to deny him or her due process. HRCP has been able to document cases of hundred of citizens being picked up arbitrarily and without due process from all regions of the country.

Since 2013, HRCP has been monitoring more closely 48 districts which it considers critical because of human rights excess and violations by organised actors. During the monitoring in those districts, a large number of cases of enforced disappearance also came to light.

In Balochistan and beyond

Although incidents of enforced disappearance have consistently been reported from all four provinces, the majority of the cases in the last few years have been reported from Balochistan. Incidents of enforced disappearance had started surfacing in Balochistan after an insurgency began in parts of the province around a decade ago. During 2014, as many as 106 cases of enforced disappearance were reported by the HRCP monitors in Balochistan, while 13 cases were reported from Interior Sindh, seven from Khyber Pakhtunkhwa, two from FATA and one from Gilgit-Baltistan.

As the number of disappearances and dumping of death bodies of some of the political activists who had been picked up allegedly by the security agencies grew in Sindh last year, the leader of the opposition in the National Assembly had warned against the creation of "Balochistan-like situation in Sindh".

The usual suspects

The security forces and police personnel have often appeared in uniform and official vehicles to pick up victims. In many cases, witnesses have mentioned the presence of plain-clothed persons, accompanied by the uniformed police or security personnel, at the time of individuals being picked up. Victims have been picked up from their homes, offices and not infrequently from the road while travelling either on public transport or in private vehicles. In some cases, however, the police requested individuals to accompany them to the police station for questioning. Their families were assured that the persons in question would be released after questioning, but they were instead handed over to the security forces. When family members contacted the police, officials usually denied that the victims were ever in their custody.

Internment centres and impunity

That individuals should be detained in designated places of detention and should have access to family and a lawyer of their choice and to all due process guarantees are long-held human rights notions that enjoy near global following.

Controversial laws, such as Actions in Aid of Civil Power Regulation, introduced in the

really opened in March 2015 when indiscriminate execution of convicts started.

Number of executions according to charges since December 19, 2014

According to media monitoring and reports by HRCP district monitors, of the 40 convicts executed whose date of final conviction was available, 39 had already served at least 10 years in jail, while five had served more than 16 years in jail before they were put to death.

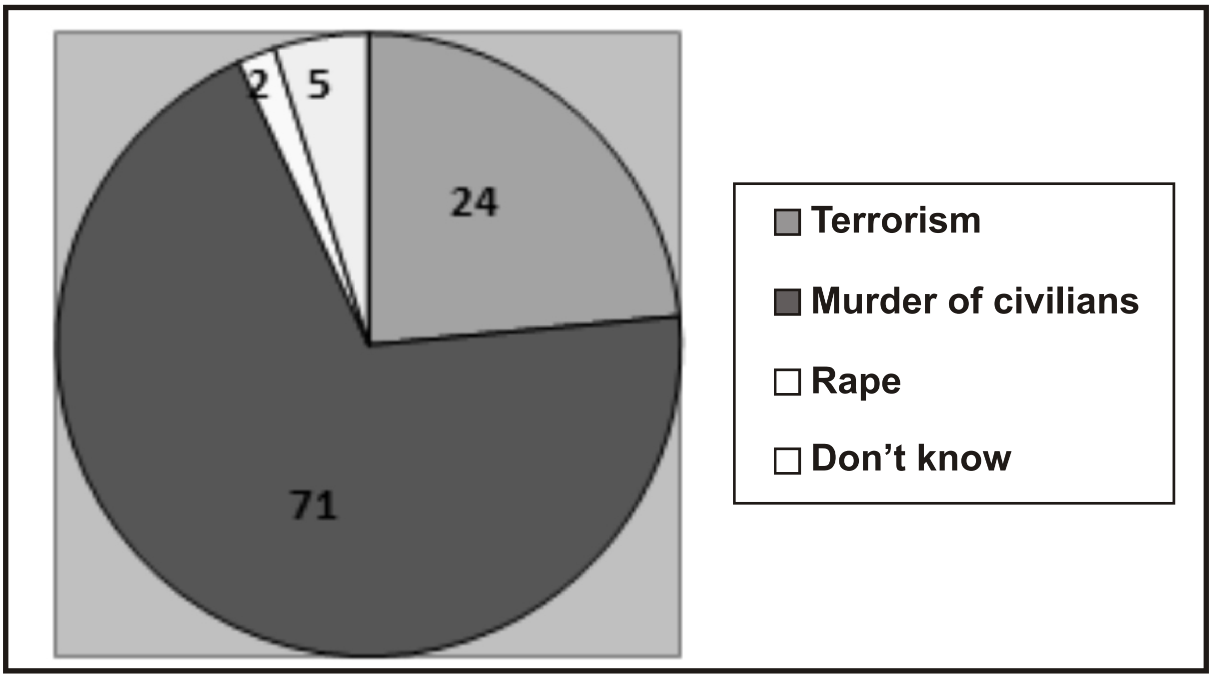

The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has repeatedly voiced its concern over the resumption of executions and reiterated its long-held opposition to the death penalty. HRCP calls for abolition of the death penalty and stresses that none of the many reasons for its opposition to capital punishment in Pakistan have changed since the informal moratorium on executions was first introduced in late 2008.

Besides the critical and well-documented deficiencies of the law and the administration of justice, which can, and often do, lead to wrongful convictions, capital punishment is increasingly seen around the world as retributive justice. The aim of the justice system should remain reformation, rehabilitation, and reclaiming of a person to society, and not exacting revenge. Fear and resentment among the people after incidents of terrorism has often led to acceptance of brutal punishment for those deemed responsible by the state apparatus. However, the death penalty is now widely recognized as a violation of human rights standards and a cruel, inhumane and degrading punishment as per the International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR) Article 6, which the government of Pakistan has ratified without any reservation.

Instead of hanging hundreds of convicts within months as 'retributive justice', the government should instead commit to a sustained effort to improve the overall justice system.

There is no evidence to suggest that reliance on the death penalty leads to reduction in crime. It has been witnessed worldwide that not the severity of punishment but certainly of it and an efficient and effective system of justice lead to reduction in crime.

Returning to the death penalty

In the wake of the brutal attack on Army Public School (APS) in Peshawar, the capital of Khyber Pakhtunkhwa, on December 16, 2014 which led to the deaths of 150 people, most of them schoolchildren, the government decided to end the informal moratorium on executions that had been in place since the end of 2008. The authorities initially announced that only individuals convicted of terrorist offences would be hanged. However, on March 10, 2015 the government said that all convicts who had been awarded the death penalty would be executed. The first executions in almost six years were of Aqeel Ahmad alias Dr Usman and Arshad Mehmud alias Meherban; both convicted of plotting a foiled assassination attempt in 2003 against then president and army chief Pervez Musharaf. The two men were hanged on December 19, 2014 in Faisalabad.

Since then, 100 convicts have been hanged (till April 28), the second highest number of executions in a year over the last decade. With 25 executions on average every month, Pakistan is not too far from surpassing the 2007 mark of 134 hangings, which has been the highest number of executions in the country over the last 10 years. Punjab, which has the highest number of death row prisoners among the four provinces, has also hanged the most convicts.

Province-wise executions since December 19, 2014

Punjab	Sindh	Balochistan	Khyber Pakhtunkhwa
86	11	2	1

The hangings have been picking up pace since the executions resumed. While seven convicts were hanged in December and 13 in January, at least 42 convicts were executed in the month of March. The highest number of convicts executed in a single day since the resumption of executions was 18, on April 21.

Hangings since December 19, 2014

December 14	January 15	February 15	March 15	April 15
7	13	4	42	36

In the early days after executions resumed, the so-called 'hardcore' terrorists with well-known incidents of terrorism to their name, were hanged. These included individuals convicted of attacking the military headquarters, suicide bombings and assassination attempts on the president, attack on the US consulate in Karachi, etc. After these initial hangings, the floodgates

activist of Sipah-e-Sahaba Pakistan, a banned militant anti-Shia group. Mehdi, who belonged to the Shia sect was accused by the caller of spreading the Shia ideology through his columns and radio programmes. The caller vowed to kill Mehdi unless he immediately stopped "his activities".

On December 3, in Skardu, a journalist who had been writing stories against the local police and receiving threats on the phone from unidentified persons for weeks was arrested by police under what he called false charges of stealing a car. He was also beaten up and asked to make a commitment to stop 'negative' reporting on police. He was later released.

In Diamer district of Gilgi-Baltistan, on December 18, a journalist and human rights activist who had highlighted a case involving torture of four students by police was threatened by the public relations officer at the Deputy Commissioner's Office that he would face dire consequences if he did not stop reporting on the case. The journalists' father was also arrested on allegedly false charges of possession of illegal weapons, although he was subsequently released on bail.

The contribution of journalists in raising awareness, accountability and information in a society cannot be emphasised enough. Reports from the four districts of Gilgit-Baltistan where the rights of journalists were violated and they were threatened or faced violence on account of their work indicate the freedom of expression challenges in the region.

Lack of any consequences for the perpetrators also gave away a context of impunity. A number of time police personnel were the ones accused of intimidating and targetting the journalists. In other instances, the police did little to eliminate the threats and attacks on journalists. The authorities should take notice of such disturbing instances in Gilgit-Baltistan and follow up on cases were the police is involved in silencing and victimizing journalists. Complaints against the police in this respects should lead to something more independent and transparent than a departmental inquiry. The situation calls for a sincere commitment from the authorities to protect journalists and to facilitate their work.

A hostile environment for GB journalists

For many years now, Pakistan has been among the deadliest countries for journalists. The challenges for journalists are not confined to any one region of the country. Gilgit-Baltistan, in the mountainous northern-most part of Pakistan, was no exception.

The seven Gilgit-Baltistan districts are among 48 districts nationwide that HRCP considers critical because of threats to human rights from organised actors there and where it monitors the human rights situation closely.

In 2014, eight main instances of human rights violations against journalists linked to their work were reported from Gilgit Baltistan. Instances of intimidation of journalists on account of their work make for a much longer list. It is evident from the nature and number of the reports that the perpetrators aimed to silence the journalists. The highest number of challenges, threats and violations to journalists emerged from Skardu.

2014: Human rights violations faced by journalists in Gilgit-Baltistan

	Targeted attack	Threats to violate human rights	Torture	Total
Gilgit	1	1	0	2
Ghizer	0	1	1	2
Skardu	0	2	1	3
Diamer	0	1	0	1
Total	1	5	2	8

The following were among the main instances of violence or threats of violence against the Gilgit-Baltistan journalists in 2014:

On January 11, in Gilgit, two armed men confronted a columnist who contributed to various local newspapers. He usually wrote about political and social issues from a secular point of view. The two men threatened to kill him if he did not stop "spreading secularism".

On March 5, the editor of daily Muhasib newspaper in Gilgit was attacked and beaten up by eight unidentified persons in his office. He was injured and hospitalized for three days. No one claimed responsibility for this attack and the investigation did not make much headway.

On March 8, a journalist who worked with daily Muhasib was covering a local traditional event in Ghizer . Some lady health workers shared a grievance with him regarding the inconvenience they faced at the hands of health department officials in getting their documents verified. The journalist went to complain on their behalf but the officials at the health department called the police who beat him up.

On August 30, in Ghizer, a reporter who worked with daily K2, a local newspaper, received life threats over phone and SMS from individuals who claimed to be the Taliban. The reporter had earlier written about security issues created by the Taliban in areas along the border of Ghizer.

In November, in Skardu, a columnist, poet and radio host on a local FM channel, Zeeshan Mehdi, reported receiving threats on the phone from someone who identified himself as an

In Mansehra, an Imambargah in Kund Syedan locality was blown up by unidentified assailants on the night of May 13. There were no casualties.

On May 21, militants belonging to the Sipah-e-Sahaba, a banned militant group known for its anti-Shia attacks, targeted a General Post Office (GPO) van in Dera Ismail Khan and killed the head postmaster who was a Shia and his driver, a Sunni. Two persons were injured. Officials said two motorcyclists had intercepted the van and opened fire. The militants also took away money from the van. The incident led to a procession by Sunni and Shia Muslims against such attacks. In another targeted sectarian attack in Dera Ismail Khan in May, a 32-year-old Shia school guard was shot dead by unidentified gunmen on a motorcycle. The victim was on his way to school from his home when he was targeted. The attackers first threw a grenade at him and then shot and killed him.

In July, in Dera Ismail Khan, two targeted attacks occurred. In one attack, a man belonging to the Shia sect was killed in an attack claimed by Sipah-e-Sahaba. The victim was shot at and killed on Daraban Road. In the second attack, a police constable belonging to the Shia sect was killed by unidentified perpetrators during prayers.

In the same month, in Abbotabad, a religious scholar from the Shia sect was killed along with his father in front of their house when unidentified perpetrators on a motorbike shot at them. The victim had reportedly tweeted on social website Twitter about receiving threats.

On August 1, in Mansehra, an prayer leader who belonged to the Barelvi sect was stopped from delivering a sermon at a local mosque on Friday by members of the Deobandi sect. The clash escalated and members of both sects attacked each other with guns and clubs. Ten people were injured in the incident.

In September, in Peshawar, three unidentified men entered a mosque and opened fire. Three men died and three were injured.

On November 19, the body of a man belonging to the Shia community was found in Mara Watbagah Chamkani area, Peshawar. The deceased had been working as a security guard at the local Imambargah for 15 months. On November 18 he was returning home from work when he was shot and killed by unidentified assailants and his body was thrown in an open area near his house.

Targetting the Sikh community

Due to the prevalence of targeted attacks and kidnappings for ransom, members of the Sikh community in Khyber Pakhtunkhwa, especially Peshawar, were reported to be gravely concerned about their safety and many were said to have moved to other parts of Pakistan. Some Sikh traders moved to cities like Rawalpindi where they considered they could run their business in a relatively safer environment.

In August, in Peshawar, unidentified gunmen opened fire on three members of the Sikh community. One of them died and the other two were injured. The Taliban claimed responsibility for the attack.

On September 3, unidentified assailants shot and killed a Sikh in his shop in Shaheedan Bazaar, Mardan.

On September 6, unidentified persons opened fire on three shops run by Sikhs in Hashtnagri, Peshawar. Two were injured and one Sikh trader who ran a grocery shop was gunned down. Members of the Sikh community took to the streets after the attacks and demanded measures to increase their security.

Kidnapping for ransom and extortion demands targetting Sikh businessmen were also reported. Two Sikh businessmen were kidnapped from Dera Ismail Khan in February. They were released after four million rupees were paid to the abductors.

Even though security threats appear to have increased for the Sikh community in Peshawar, at least 500 families were reported to have shifted there from Federally Administered Tribal Areas (FATA) because of the militancy and the military operation against the militants there.

According to the National Database and Registration Authority (NADRA), 114 Christian, 29 Hindu, 10 Baha'i and 4 Buddhist families were among those displaced from FATA in 2014 amid the army's operation against militants in the region. Some of the displaced families reported facing discrimination at the IDP camps in Bannu where they had taken refuge. There were also complaints of members of religious minority communities being discriminated against at the food distribution points.

Even as the general counter-terrorism measures continue in the militancy-affected parts of the province, it is vital to act to prevent faith-based attacks and also to ensure that the perpetrators in such attacks are brought to justice. Curbing and punishing hate speech should constitute a critical component of the strategy. The civil society has long called for the authorities to consult the affected communities regarding what should constitute an appropriate response to such attacks. The state response to these challenges must take into account the sentiments and concerns of the affected communities.

The other war in the northwest

Many parts of the Khyber Pakhtunkhwa province have been scarred by the Taliban militancy where the police, security forces personnel and members of peace committees and political activists have borne the brunt of vicious terrorist attacks.

In Khyber Pakhtunkhwa, another stream of bloodshed, which might not be comparable in terms of casualties, but is equally scarring is the faith-based violence against sectarian and religious minorities, including attacks on their worship places.

Since 2013, HRCP has been monitoring more closely 48 districts which it considers critical because of human rights excess and violations by organised actors there. The monitoring has also been taking place in 13 districts in Khyber Pakhtunkhwa.

The most frequent target of faith-based violence in Khyber Pakhtunkhwa in the last few years have been members of the Sikh and Shia communities. Most of the attacks have been claimed by extremist militants, while for some of the other attacks also believed to be carried out by the militants there has been no claim of responsibility.

In the selected Khyber Pakhtunkhwa districts, 15 faith-based attacks were reported in 2014. The highest number of attacks against religious minorities were reported from Peshawar, the provincial capital. These included targeted attacks, attacks on places of worship and also instances of kidnapping for ransom.

2014: Attacks on religious minorities in selected districts of Khyber Pakhtunkhwa

	Peshawar	Dera Ismail Khan	Mansehra	Mardan	Abbotabad	Total
Total	6	5	2	1	1	15

According to media reports, a total of 17 sectarian-related terrorist attacks had taken place across Khyber Pakhtunkhwa in 2014. These attacks resulted in 33 fatalities and 44 persons were injured. With seven attacks, Peshawar faced the largest number of sectarian-related incidents. Media reports also highlighted 10 incidents involving attacks on worship places and shrines across Khyber Pakhtunkhwa in 2014. A total of 16 people lost their lives and 76 were injured in these incidents. Out of these 10 attacks, six were reported from Peshawar.

The following incidents of faith-based attacks reported by HRCP monitors from the selected Khyber Pakhtunkhwa districts in 2014 stood out:

In January 2014, a bomb exploded in the Grand Tableeghi Markaz mosque, Peshawar. Ten people were killed in the explosion and another 10 were injured. Two explosive devices were later defused by the bomb disposal personnel.

In February, a member of the Shia community was shot and killed by an unidentified gunman in Peshawar. Nothing was taken from the deceased and his sectarian identity was believed to be the reason for the targeted killing.

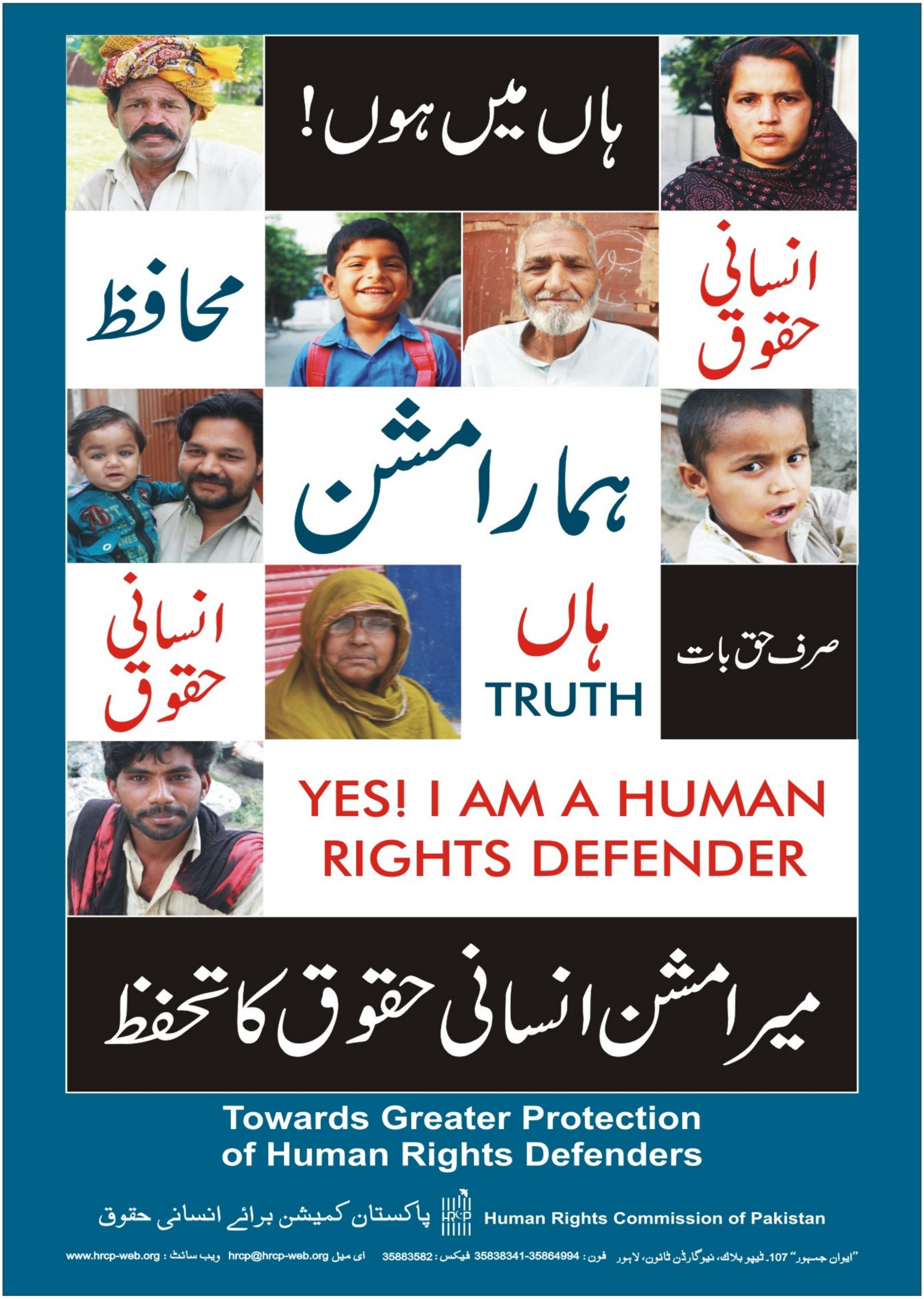

ہاں میں ہوں!
محافظ
انسانی حقوق
ہمارا مشن
انسانی حقوق
ہاں
TRUTH
صرف حق بات
YES! I AM A HUMAN RIGHTS DEFENDER
میرا مشن انسانی حقوق کا تحفظ
Towards Greater Protection of Human Rights Defenders
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP
Human Rights Commission of Pakistan
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور فون: 35864994-35838341 فیکس: 35883582 ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org

Article 11
Everyone has the right, individually and in association with others, to the lawful exercise of his or her occupation or profession. Everyone who, as a result of his or her profession, can affect the human dignity, human rights and fundamental freedoms of others should respect those rights and freedoms and comply with relevant national and international standards of occupational and professional conduct or ethics.

Article 12
1. Everyone has the right, individually and in association with others, to participate in peaceful activities against violations of human rights and fundamental freedoms.
2. The State shall take all necessary measures to ensure the protection by the competent authorities of everyone, individually and in association with others, against any violence, threats, retaliation, de facto or de jure adverse discrimination, pressure or any other arbitrary action as a consequence of his or her legitimate exercise of the rights referred to in the present Declaration.
3. In this connection, everyone is entitled, individually and in association with others, to be protected effectively under national law in reacting against or opposing, through peaceful means, activities and acts, including those by omission, attributable to States that result in violations of human rights and fundamental freedoms, as well as acts of violence perpetrated by groups or individuals that affect the enjoyment of human rights and

Article 13
Everyone has the right, individually and in association with others, to solicit, receive and utilize resources for the express purpose of promoting and protecting human rights and fundamental freedoms through peaceful means, in accordance with article 3 of the present Declaration.

Article 14
1. The State has the responsibility to take legislative, judicial, administrative or other appropriate measures to promote the understanding by all persons under its jurisdiction of their civil, political, economic, social and cultural rights.
2. Such measures shall include, inter alia:
(a) The publication and widespread availability of national laws and regulations and of applicable basic international human rights instruments;
(b) Full and equal access to international documents in the field of human rights, including the periodic reports by the State to the bodies established by the international human rights treaties to which it is a party, as well as the summary records of discussions and the official reports of these bodies.
3. The State shall ensure and support, where appropriate, the creation and development of further independent national institutions for the promotion and protection of human rights and fundamental freedom in all territory under its jurisdiction, whether they be ombudsmen, human rights commissions or any other form of national institution.

Article 15
The State has the responsibility to promote and facilitate the teaching of human rights and fundamental freedoms at all levels of education and to ensure that all those responsible for training lawyers, law enforcement officers, the personnel of the armed forces and public officials include appropriate elements of human rights teaching in their training programme.

Article 16
Individuals, non-governmental organizations and relevant institutions have an important role to play in contributing to making the public more aware of questions relating to all human rights and fundamental freedoms through activities such as education, training and research in these areas to strengthen further, inter alia, understanding, tolerance, peace and friendly relations among nations and among all racial and religious groups, bearing in mind the various backgrounds of the societies and communities in which they carry out their activities.

Article 17
In the exercise of the rights and freedoms referred to in the present Declaration, everyone, acting individually and in association with others, shall be subject only to such limitations as are in accordance with applicable international obligations and are determined by law solely for the purpose of securing due recognition and respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the

Article 18
1. Everyone has duties towards and within the community, in which alone the free and full development of his or her personality is possible.
2. Individuals, groups, institutions and non-governmental organizations have an important role to play and a responsibility in safeguarding democracy, promoting human rights and fundamental freedoms and contributing to the promotion and advancement of democratic societies, institutions and processes.
3. Individuals, groups, institutions and non-governmental organizations also have an important role and a responsibility in contributing, as appropriate, to the promotion of the right of everyone to a social and international order in which the rights and freedoms set forth in the Universal Declaration of Human Rights and other human rights instruments can be fully realized.

Article 19
Nothing in the present Declaration shall be interpreted as implying for any individual, group or organ of society or any State the right to engage in any activity or to perform any act aimed at the destruction of the rights and freedoms referred to in the present Declaration.

Article 20
Nothing in the present Declaration shall be interpreted as permitting States to support and promote activities of individuals, groups of individuals, institutions or non-governmental organizations contrary to the provisions of the Charter of the United

General Assembly resolution 53/144 of 9 December 1998

Declaration on the Right and Responsibility of Individuals, Groups and Organs of Society to Promote and Protect Universally Recognized Human Rights and Fundamental Freedoms

Article 1

Everyone has the right, individually and in association with others, to promote and to strive for the protection and realization of human rights and fundamental freedoms at the national and international levels.

Article 2

1. Each State has a prime responsibility and duty to protect, promote and implement all human rights and fundamental freedoms, inter alia, by adopting such steps as may be necessary to create all conditions necessary in the social, economic, political and other fields, as well as the legal guarantees required to ensure that all persons under its jurisdiction, individually and in association with others, are able to enjoy all those rights and freedoms in practice.
2. Each State shall adopt such legislative, administrative and other steps as may be necessary to ensure that the rights and freedoms referred to in the present Declaration are effectively guaranteed.

Article 3

Domestic law consistent with the Charter of the United Nations and other international obligations of the State in the field of human rights and fundamental freedoms is the juridical framework within which human rights and fundamental freedoms should be implemented and enjoyed and within which all activities referred to in the present Declaration for the promotion, protection and effective realization of those rights and freedoms should be conducted.

Article 4

Nothing in the present Declaration shall be construed as impairing or contradicting the purposes and principles of the Charter of the United Nations or as restricting or derogating from the provisions of the Universal Declaration of Human Rights,2 the International Covenants on Human Rights3 and other international instruments and commitments applicable in this field.

Article 5

For the purpose of promoting and protecting human rights and fundamental freedoms, everyone has the right, individually and in association with others, at the national and international levels:

(a) To meet or assemble peacefully;

(b) To form, join and participate in non-governmental organizations, associations or groups;

(c) To communicate with non-governmental or intergovernmental organizations.

Article 6

Everyone has the right, individually and in association with others:

(a) To know, seek, obtain, receive and hold information about all human rights and fundamental freedoms, including having access to information as to how those rights and freedoms are given effect in domestic legislative, judicial or administrative systems;

(b) As provided for in human rights and other applicable international instruments, freely to publish, impart or disseminate to others views, information and knowledge on all human rights and fundamental freedoms;

(c) To study, discuss, form and hold opinions on the observance, both in law and in practice, of all human rights and fundamental freedoms and, through these and other appropriate means, to draw public attention to those matters.

Article 7

Everyone has the right, individually and in association with others, to develop and discuss new human rights ideas and principles and to advocate their acceptance.

Article 8

1. Everyone has the right, individually and in association with others, to have effective access, on a nondiscriminatory basis, to participation in the government of his or her country and in the conduct of public affairs.
2. This includes, inter alia, the right, individually and in association with others, to submit to governmental bodies and agencies and organizations concerned with public affairs criticism and proposals for improving their functioning and to draw attention to any aspect of their work that may hinder or impede the promotion, protection and realization of human rights and fundamental freedoms.

Article 9

1. In the exercise of human rights and fundamental freedoms, including the promotion and protection of human rights as referred to in the present Declaration, everyone has the right, individually and in association with others, to benefit from an effective remedy and to be protected in the event of the violation of those rights.
2. To this end, everyone whose rights or freedoms are allegedly violated has the right, either in person or through legally authorized representation, to complain to and have that complaint promptly reviewed in a public hearing before an independent, impartial and competent judicial or other authority established by law and to obtain from such an authority a decision, in accordance with law, providing redress, including any compensation due, where there has been a violation of that person's rights or freedoms, as well as enforcement of the eventual decision and award, all without undue delay.
3. To the same end, everyone has the right, individually and in association with others, inter alia:

(a) To complain about the policies and actions of individual officials and governmental bodies with regard to violations of human rights and fundamental freedoms, by petition or other appropriate means, to competent domestic judicial, administrative or legislative authorities or any other competent authority provided for by the legal system of the State, which should render their decision on the complaint without undue delay;

(b) To attend public hearings, proceedings and trials so as to form an opinion on their compliance with national law and applicable international obligations and commitments;

(c) To offer and provide professionally qualified legal assistance or other relevant advice and assistance in defending human rights and fundamental freedoms.

4. To the same end, and in accordance with applicable international instruments and procedures, everyone has the right, individually and in association with others, to unhindered access to and communication with international bodies with general or special competence to receive and consider communications on matters of human rights and fundamental freedoms.
5. The State shall conduct a prompt and impartial investigation or ensure that an inquiry takes place whenever there is reasonable ground to believe that a violation of human rights and fundamental freedoms has occurred in any territory under its jurisdiction.

Article 10

No one shall participate, by act or by failure to act where required, in violating human rights and fundamental freedoms and no one shall be subjected to punishment or adverse action of any kind for refusing to do so.

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - May 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 05 ...... مئی2015..... قیمت 5روپے

Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion; this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.

– Universal Declaration of Human Rights ... Article 18

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

Monthly JEHD-E-HAQ - May 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 05 ...... مئی2015.....